بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کوہ گراں

ممتاز احمد

شمع بک ایجنسی
نوید اسکوائر اردو بازار کراچی

نام کتاب : کوہ گراں (ناول)
مصنف : ممتاز احمد 0302-5747966 (واٹس ایپ)
ناشر : شمع بک ایجنسی
پرنٹر : خالد پرنٹر
کمپوزنگ عمران ملک
مشاورت : جناب ڈاکٹر عرفان احمد خان (لاہور)
0314-4252578
اشاعت: 2024ء
قانونی مشیر: عامر خان ایڈووکیٹ سرگودھا
(0321-6027544)
ٹائٹل: نعیم یاد، جوہر آباد
قیمت: -/500 روپے

انتساب

اپنے تمام اساتذہ کرام کے نام

اظہار تشکر

جناب ڈاکٹر عرفان احمد خان لاہور
جناب پروفیسر عاصم بخاری میانوالی
جناب خالد یوسفی نامور شاعر سرگودھا

کتاب کا نام منتخب کرنا، ایک کٹھن مرحلہ تھا کیونکہ کئی نام زیر غور تھے بالآخر ''کوہ گراں'' نام پر اتفاق کیا۔ ڈاکٹر عرفان احمد خان صاحب کا نام تجویز کرنے پر شکرگزار ہوں۔

ممتاز احمد سرگودھا
واٹس ایپ نمبر:0302-5747966
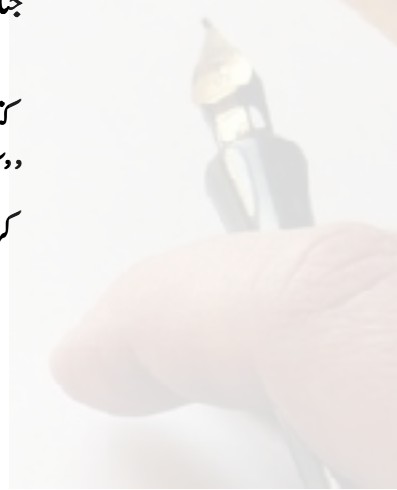
ممتاز احمد کے اعزازات

ممتاز احمد کو اپنی تصانیف اور تخلیقات پر ملک کی مختلف ادبی تنظیموں کی طرف سے تیئس ایوارڈ اور 7 گولڈ میڈل مل چکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1-موسٹ پاپولر رائٹر آف سچی کہانیاں ڈائجسٹ 2014ء ایوارڈ فرام لاہور

2-موسٹ پاپولر رائٹر آف سچی کہانیاں ڈائجسٹ 2015ء ایوارڈ فرام لاہور

3-موسٹ پاپولر رائٹر آف سچی کہانیاں ڈائجسٹ 2016ء ایوارڈ فرام لاہور

4-ریشم ڈائجسٹ ایوارڈ 2016ء فرام اسلام آباد

5-بزم فکر وخیال ایوارڈ 2016ء فرام سرگودھا

6- کاروان نقیب ادب ایوارڈ 2017ء فرام فیصل آباد

7-مشتاق قریشی ادبی ایوارڈ 2018ء فرام جڑانوالہ

8- کاروان نقیب ادب ایوارڈ 2019ء فرام فیصل آباد

9- بھیل انٹرنیشنل ادبی ایوارڈ 2019ء فرام ننکانہ صاحب

10- کاروان نقیب ادب ایوارڈ 2020ء فرام فیصل آباد

11- بھیل انٹرنیشنل ادبی ایوارڈ 2020ء فرام ننکانہ صاحب

12-ادب،سماج،انسانیت ایوارڈ 2020ء فرام انٹرنیشنل رائٹر فورم اسلام آباد

13- گولڈ میڈل 2021ء فرام کار خیر تنظیم گوجرانوالہ

14- گولڈ میڈل 2021ء فرام بھیل انٹرنیشنل تنظیم ننکانہ صاحب

15-سردار ادبی ایوارڈ 2021ء فرام بزم ذوق ادب ڈسکہ

16-ادب سماج انسانیت ایوارڈ 2021ء فرام انٹرنیشنل رائٹر فورم اسلام آباد

17-سردار ادبی ایوارڈ 2022ء فرام بزم ذوق ادب ڈسکہ

18-حسن کارکردگی ایوارڈ 2022ء فرام اوج ڈائجسٹ جہانیاں

19-الوکیل کتاب ایوارڈ 2022ء فرام عاشق حسین خان ایڈووکیٹ میموریل آرگنائزیشن حاصل پور

20-انتظار حسین ایوارڈ 2022ء فرام انٹرنیشنل رائٹر فورم اسلام آباد

21- گولڈ میڈل 2022ء فرام کار خیر تنظیم گوجرانوالہ

22- گولڈ میڈل 2022ء فرام بھیل انٹرنیشنل ادبی تنظیم ننکانہ صاحب

23- گولڈ میڈل 2022ء فرام فضیلت جہاں ادبی تنظیم لاہور

24-الفانوس ایوارڈ 2022ء فرام انفانوس لائبریری گوجرانوالہ

25- کاروان نقیب ادب ایوارڈ 2022ء فرام فیصل آباد

26-ادب سماج انسانیت ایوارڈ 2022ء فرام انٹرنیشنل رائٹر فورم اسلام آباد

27-ادب،سماج انسانیت ایوارڈ 2023ء فرام انٹرنیشنل رائٹر فورم اسلام آباد

28- کاروان نقیب ادب ایوارڈ 2023ء فرام فیصل آباد

29- گولڈ میڈل 2024ء فرام فضیلت جہاں ادبی تنظیم لاہور

30- گولڈ میڈل 2024ء فرام بھیل انٹرنیشنل ادبی تنظیم ننکانہ صاحب

اپنی بات

''کوہ گراں'' جس کا مطلب وہ وزن جو اٹھایا نہ جاسکے، مشکل چیز، دنیا میں ایسا کون سا کوہ گراں ہے جو اٹھایا نہ جاسکے۔ میرے خیال میں ذمہ داریوں کا وزن، عہدے اور منصب کا وزن، رشتوں کا وزن اٹھانا ذرا مشکل ہے مگر ناممکن نہیں اور جو لوگ یہ وزن اٹھالیتے ہیں تو وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہوتے ہیں۔ ایک حدیث پاک کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جو شخص رزق حلال کمانے کی غرض سے نکلتا ہے تو وہ مسلسل عبادت میں رہتا ہے۔ الکاسِبُ حَبیب اللہ (محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے) جب انسان پہلے دن سے یہ نیت اور ارادہ کرلے کہ اس نے اپنے اختیارات سے تجاوز نہیں کرنا، رشوت نہیں لینی، اپنی ذمہ داری ہر حال میں پوری کرنی ہے، ہر مظلوم کی دادرسی کرنی ہے تو پھر اللہ کریم اس بندے پر اتنا مہربان ہوتا ہے پھر اسے ایسے ایسے ذرائع سے عزت اور رزق ملتا ہے جس کا وہ گمان بھی نہیں کرسکتا۔ ''کوہ گراں'' لکھنے کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ ہر ذمہ دار اپنی ذمہ داریوں کو خوب پہچانے اور اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلے تو پھر دیکھیں قدرت کی فیاضیاں اور اس کے انعام و اکرام کی کتنی بارشیں ہوتی ہیں، دوسرا یہ کہ شریعت نے مرد اور عورت کی پسند کی شادی کرنے کی اجازت دی ہے مگر ہمارے معاشرے کے وہ لوگ جو جھوٹی انا پرستی، خاندانی رسم و رواج، ذات پات اور امیری غریبی کی خودساختہ رسم و رواج اور روایات میں بندھے ہیں کیا وہ شریعت کی اس بات سے بغاوت کے مرتکب نہیں ہو رہے؟ تیسرا سیاست ایک عادت ہے جو سیاست دان، اراکین اسمبلی اس بات کو اپنی گرہ میں باندھ کر سیاست کرتے ہیں درحقیقت وہ عبادت کرتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے وہ اپنے لئے دوزخ کی آگ خرید رہے ہیں اور پاکستان میں ایسے سیاست دانوں

کی کوئی کمی نہیں ہے، چوتھا یہ کہ جو لوگ دوسروں کو ناحق نقصان پہنچانے کے چکر میں رہتے ہیں آخر ایک نہ ایک دن خود نقصان اٹھاتے ہیں، پانچواں یہ کہ بیٹیاں اللہ کی رحمت ہیں بیٹیوں سے پیار کرنا چاہئے کیونکہ بیٹیاں ہی کام آتی ہیں۔

کہتے ہیں یہ دنیا عبرت کی جگہ ہے تماشا نہیں، اب انسان کے پاس دو ہی آپشن ہیں عبرت پکڑے یا عبرت بن جائے۔ آخر میں میرا پیغام ہے محبت جہاں تک پہنچے۔

آخر میں بہت ممنون و مشکور ہوں جناب عاصم بخاری صاحب، پیاری بہن اقبال بانو صاحبہ اور ارم ہاشمی صاحبہ کا جنہوں نے اپنے خوبصورت تاثرات میرے ناول کیلئے لکھے اور انتہائی شکر گزار ہوں خالد یوسفی صاحب کا جن کی خوبصورت شاعری نے ناول کو چار چاند لگائے۔

ممتاز احمد

سرگودھا

''کون گراں'' کوخوب نبھا گیا ممتاز

ممتاز احمد

اور

''کوہ گراں''

ممتاز احمد صاحب سرگودھا کے معروف افسانہ نگار اور کہانی کار ہیں نت نئی راہوں کے راہی ہیں، کامیاب افسانوی پرواز کے بعد اب ان کی اگلی منزل ناول نگاری کی وادی میں قدم رکھنا ہے۔ اگرچہ افسانہ نگار کے لئے ناول نگار بننا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے مگر بقول شاعر:

ہر مسافر کی اپنی منزل ہے
راستے بے شمار ہوتے ہیں

کوہ گراں......

ممتاز احمد صاحب کی ناول نگاری میں ان کا دوسرا اور کامیاب تجربہ ہے۔ معاشرے اور معاشرت پر ان کی کڑی نظر ہے۔ ان کے ناول کا موضوع موزوں بھی ہے اور اپنے اندر جامعیت جاذبیت اور گہرائی وگیرائی رکھتا ہے۔

معاشرتی مسائل کو انہوں نے ناول میں کڑی در کڑی خوب جوڑا ہے۔ واقعات میں ربط قابل داد ہے۔ ان کا مشاہدہ کینوس بہت وسیع ہے۔ انہوں نے انسانی وسائل، مسائل، طمع، لالچ، خودغرضی اور دہشت گردی جیسے سنگین مسائل کو پورے تناسب کے ساتھ سمویا ہے۔ ''کوہ گراں'' میں اعتدال وتناسب کا شعوری خیال رکھا گیا ہے۔ کرداروں کے ذریعے

کمال وزوال کی خوب جھلک دکھائی گئی ہے۔ منظرکشی اور کردار نگاری میں انشاء پردازی کا کمال بھی عروج پر ہے۔ ناول کا پلاٹ اور کہانی اتنی بھی پر پیچ نہیں کہ قاری کو الجھا دے۔ اس قدر سادہ سپاٹ بھی نہیں کہ قاری کی دلچسپی کھو دے۔ فکری وفنی دونوں پہلو ناول نگار کی پختہ کاری کے غماز ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ ممتاز صاحب ''کوہ گراں'' کے جیسے کار دشوار کے خوش اسلوبی سے کر گزرنے میں ممتاز ٹھہرے ہیں، جن کا ایک ایک واقعہ اپنے اندر اخلاقی سبق بھی رکھتا ہے اور بین السطور پیغام بھی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔

ممتاز احمد صاحب کے لئے ایک شعر:

اس ناول میں چاہت، الفت، پیار وفا
یہ ناول ہے عاصم رکھتا اک خاص ادا

پروفیسر عاصم بخاری
میانوالی

ممتاز احمد کا فن اور کوہ گراں

خوبصورت ترین ناول:

میں نے اس ناول کا مسودہ پڑھا میں حیران ہوں اور مجھے افسوس بھی ہے کہ اس سے پہلے میں ایسے بہترین اور خوبصورت رائٹر کی تحریروں سے محروم رہی۔

ممتاز احمد کے لفظوں میں محبت ہے ان کے جملوں میں بوچھاڑ ہے۔ ان کے ہاں شاندار جملوں کی بُنت ہے۔ ان کے لکھنے میں ایک تسلسل ہے یہ تسلسل رواں ندی کے مانند ہے لفظوں کا چناؤ بہت خوبصورت ہے۔

ممتاز احمد کے ہاں محبت اور کامیابی کا احساس ہے اور ان کی تحریر انسانی جذبات اور احساسات سے بہت قریب ہے۔ انہوں نے اپنے دل کی بلکہ دوسروں کے دل کی بات کی ہے۔ دوسروں کے احساسات کو بیان کرنا بہت بڑی بات ہے۔

میرے لئے یہ بہت فخر کی بات ہے اور میرے لئے باعث اعزاز بھی ہے کہ میں ممتاز احمد کے ناول پر اپنے احساسات لکھ رہی ہوں۔

بلاشبہ عزت اور ذلت کا تعین کرنے والی ذات میرے رب کی ہے۔

''کوہ گراں'' دراصل ان رویوں کی کہانی ہے جس میں خود غرضی، تکبر، حسد، جب رشتوں میں آ جائے تو وہ اندر سے کھوکھلے رہ جاتے ہیں اور اپنا وقار کھو بیٹھتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں دو طرح کے رویے پائے جاتے ہیں مثبت اور منفی رویے اس سے ایک فرد نہیں بلکہ پورا خاندان متاثر ہوتا ہے اور تباہ ہو جاتے ہیں وہ خاندان اور انا کی بھینٹ اپنے معصوم رشتوں کو چڑھا دیتے ہیں۔

جیسا کہ آپ کو پتہ ہی ہے کہ ہمارے معاشرے میں یہ دو طرح کے پائے جاتے ہیں ایک مذہبی رویہ اور دوسرا منفی رویہ اس سے انسان دوہرے معیار کا شکار ہو گیا ہے۔ اچھائی اور برائی کا تصور ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

جہاں منفی سوچ کے لوگ معاشرے کو تباہ کرنے کے لئے کمر بستہ ہیں وہیں مثبت سوچ

اور محبت کا پیغام پھیلانے والے بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں اور انہی مثبت سوچ والوں کی وجہ سے معاشرہ قائم ہے۔

کوہ گراں ایسے مثبت سوچوں کی حامل شخص کی کہانی ہے جو سالوں اپنوں کی نفرت کا شکار رہا۔ اس ناول میں بلا کی محبت اور شدت ہے۔ اس میں لڑکی اپنی محبت کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیتی ہے اور محبت بھی اس کو اپناتی ہے۔ لیکن بعد میں اس کے گھر والے جو اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ بھی مان جاتے ہیں کہ نہیں یہی لڑکا ہماری بیٹی کے قابل تھا۔ محبت کا یہی نرم گرم احساس ہی ان دونوں کو ایک کرتا ہے۔

ایک بات ہے وہ یہ کہ ممتاز احمد نے اس میں برے کا برا انجام دکھایا ہے۔ کوہ گراں کے کردار ہمارے ہی معاشرے کے سچے کردار ہیں اور یہ کردار آپ کو اپنے آمنے سامنے آگے اور پیچھے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں چاہے وہ کرپٹ سیاست دان ہو یا چھوٹا عامل ہو یا پھر قبضہ مافیا گروپ ہو۔

ممتاز احمد کے قلم میں اتنی روانی اور چاشنی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ ان کی تحریر کو ایک ہی نشست میں پڑھا جائے۔

ان کی تحریر قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ یہ ایک خوبصورت ترین ناول ہے جو دوستی اور قربانی کی بہترین مثال ہے۔ ممتاز احمد نے ہر کردار کی نفسیات اس کے احساسات و جذبات بہت عمدگی سے بیان کئے ہیں۔ ہم کردار کو خوبصورت جذبوں سے لکھا گیا ہے اور انتہائی سادگی اور مہارت سے کہانی کو بیان کیا گیا ہے۔ ''کوہ گراں'' ممتاز احمد کا ایک ایسا ناول ہے جو بہت ہی شاندار ہے اور انہوں نے اپنے قارئین کو دیا ہے۔

محبت، نفرت اور دوستی کے اس خوبصورت ناول کی کامیابی کے لئے میں دلی طور پر دعا گو ہوں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ آمین یا رب العالمین۔

اقبال بانو

ناول و افسانہ نگار، ڈرامہ رائٹر

ہم عصر حقیقت نگاری اور ممتاز احمد

ممتاز احمد جدید دور کے نثر نگار ہیں۔ان کے افسانے وسیع تر اجتماعی انسانی شعور کا اظہار ہیں جو اپنے خاصے میں سادہ اور ایک پہلو نہیں بلکہ بہت سے متصاد خاصوں کا مجموعہ ہیں جو آپس میں باہم مربوط ہیں۔

''کوہ گراں'' ممتاز احمد کا دوسرا ناول ہے اور اس ناول میں انہوں نے اپنی تحریری صلاحیتوں کو لوہا منوالیا ہے۔ممتاز احمد نے ناول میں ایک ایسے موضوع کو چنا ہے جو وقت کی اہم ضرورت ہونے کے باوجود ہمارے مصنفین کی گرفت سے دور رہا ہے۔ممتاز احمد نے ہمیں بتا دیا بلکہ دکھا دیا ہے کہ محبت اور حکمت سے ناممکن کو ممکن بنایا جا سکتا ہے،محبت آج ہی معجزے دکھا سکتی ہے۔باپ بیٹی کی یہ کہانی ہمارے قوم، ہمارے ملک اور ہم سب کی کہانی بھی ہے۔بشرطیکہ ہم اپنے اپنے دائرے میں امید اور کوشش کے چراغ جلائیں۔

ارم ہاشمی

افسانہ نگار میانوالی

کوہ گراں

آج شام بہت اداس تھی، زرغم سر جھکائے گہری سوچ میں ڈوبا اپنے ماضی کے دھندلکوں میں کھویا ہوا تھا۔اس کا ایک ہی سہارا تھا اور وہ اس کے ابا جان تھے،اس کے ہمدرد، دوست، غمگسار اور رفیق تھے جو ایک سال پہلے آج ہی کے دن اس دنیا فانی سے رحلت کر گئے تھے۔اس کے ابا جان نے اسے جینا، آگے بڑھنا اور ہر مشکل سے نکلنا سکھایا تھا ہر قدم پر اس کی راہنمائی کی تھی مگر وہ آج اس دنیا میں نہیں تھے اللہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا تھا۔زرغم اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا اس کی عمر ابھی پندرہ سال تھی کہ اس کی ماں اس دار فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ماں کی وفات کے بعد اس کے ابا جان نے ماں اور باپ دونوں کا پیار اسے دیا، اور اسے ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی وہ تین ٹائم کھانا بناتے، کپڑے دھوتے اور استری کرتے، گھر کی صفائی ستھرائی کرتے یہاں تک کہ اس کے جوتے بھی پالش کر دیتے، اس کے ابا جان ایک سرکاری محکمے میں ملازم تھے جب ان کی مدت ملازمت پچیس سال ہوئی تو انہوں نے قبل از وقت اپنی ملازمت سے ریٹائرمنٹ لے لی حالانکہ ابھی ان کی سروس کو بارہ سال رہتے تھے۔ریٹائرمنٹ پر جو انہیں واجبات ملے ان سے انہوں نے اپنا ایک چھوٹا سا گھر لے لیا اس سے پہلے وہ کرائے کے گھر میں رہتے تھے۔ان کے ابا جان نے اللہ سے لو لگا لی تھی۔تہجد اور پانچ وقت کی نماز ادا کرتے روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور ہر وقت ان کی زبان پر اللہ اور اس کے رسول کا ذکر رہتا۔زرغم پڑھ رہا تھا، وہ بہت لائق، محنتی، ہونہار لڑکا تھا۔ ہر امتحان میں اوّل آتا۔اسکول سے کالج اور کالج سے یونیورسٹی پہنچ

گیا۔ وہ ایم۔ اے انگلش کر رہا تھا۔ اس کی ساری توجہ پڑھائی کی طرف ہوتی۔ اس کے ابا جان ایک غریب انسان تھے کوئی دولت، جائیداد اور زمین ان کی ملکیت نہیں تھی ان کی نصیحت تھی کہ بیٹا پڑھ لکھ کر کچھ بنو یہ دنیا ایسی ہے غریب کا کوئی رشتہ دار نہیں ہوتا بندے کے پاس اونچا عہدہ یا دولت ہو تو سب اس کے ہوتے ہیں۔ زرغم نے اپنے ابا جان کی یہ نصیحت پلے باندھ لی اور کچھ بننے کے لئے وہ علم حاصل کر رہا تھا۔ زرغم کے ابا جان کی وفات کے بعد اس پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا ان کی زندگی میں انہیں جو پنشن ملتی تھی۔ اس سے ان کی گزر بسر ہو رہی تھی مگر اب وہ پنشن اسے ملنی بند ہو گئی تھی کیونکہ زرغم اب بالغ تھا، اس نے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا۔ وہ صبح پہلے یونیورسٹی جاتا وہاں سے واپسی پر چار مختلف گھروں میں جا کر بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا اس طرح اس کی واپسی شام کے چھ بجے ہوتی گھر آ کر وہ کھانا کھاتا اور پھر تین گھنٹے اپنے کورسز کی کتابیں پڑھتا۔ وہ کولہو کے بیل کی طرح اپنے حال میں مست اپنی روٹین پر چل رہا تھا۔

لائبہ ایک بہت بڑے صنعتکار کی بیٹی تھی اس کے والد سیٹھ کامران لاشاری بہت امیر کبیر انسان تھے کئی فیکٹریوں اور کارخانوں کے مالک تھے، شہر کے پوش اور مہنگے علاقے میں ان کی چار کنال کی عالیشان کوٹھی تھی۔ لائبہ کے چار بھائی تھے اور وہ چاروں اپنے باپ کے ساتھ کامران انٹر پرائز میں کاروبار کر رہے تھے، ان کا سالانہ منافع کروڑوں میں ہوتا تھا وہ سب عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ لائبہ اپنے چاروں بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی اور سب سے چھوٹی تھی۔ لائبہ پر خوبصورتی اور جوانی ٹوٹ کر آئی تھی۔ گورا رنگ، لمبا قد، پتلے گلابی ہونٹ اور ہونٹوں کے اوپر ایک چھوٹا سا تل جو اس کے حسن کو چار چاند لگاتا تھا۔ اس کی بڑی بڑی نشیلی آنکھیں اور لمبے سیاہ بال بلاشبہ وہ حسن کی مرقع تھی۔ اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا وہ بھی ایم۔ اے انگلش کر رہی تھی اور زرغم کی کلاس فیلو تھی۔ زرغم ٹاپ کرنے والا طالب علم تھا اس لئے وہ تمام

پروفیسرز صاحبان کا منظور نظر تھا۔ اتنا ذہین، لائق اور محنتی ہونے کے باوجود اکڑ، گھمنڈ اور تکبر سے عاری تھا، وہ بہت پرخلوص سب کی عزت کرنے والا ایک عاجز انسان تھا۔ وہ مردانہ وجاہت کا نمونہ تھا اس کا رنگ گندمی، کشادہ ماتھا، گھنگھریالے بال اور آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی، مگر وہ ایک غریب انسان تھا مگر آج تک اس نے اپنی غریبی کا رونا نہیں رویا تھا وہ ہر حال میں خوش تھا احکام شریعت کا پابند ایک سچا اور دیانت دار انسان تھا۔ وہ گھر سے پیدل چل کر یونیورسٹی آتا اور پیدل ہی چل کر مختلف گھروں کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا تھا۔

محبت ایک بہت خوبصورت جذبہ ہے یہ وہ جذبہ ہے جو زندگی میں رنگ بھر دیتا ہے۔ محبت جب کسی سے ہوتی ہے تو رنگ، نسل، دولت مذہب اور ذات پات نہیں دیکھتی بس ہو جاتی ہے اور جس سے ہوتی ہے وہ اسے پوری دنیا میں سب سے الگ اور منفرد نظر آتا ہے۔ لائبہ اپنی کلاس میں زرغم کے سب سے زیادہ قریب تھی۔ حقیقت میں وہ اتنی لائق نہیں تھی کہ گریجویشن میں اس کے اتنے زیادہ نمبر نہیں تھے مگر زرغم کی قربت کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس کا شمار بھی لائق اسٹوڈنٹس میں ہونے لگا۔ زرغم پڑھائی میں اس کی بہت مدد کرتا تھا۔ لائبہ اور زرغم کی پاکیزہ دوستی آہستہ آہستہ محبت میں تبدیل ہو گئی۔ ان دونوں کو پتہ ہی نہ چلا کہ وہ ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ زرغم کے سارے حالات سے لائبہ پوری طرح واقف تھی مگر اسے کسی بات کی پرواہ نہیں تھی وہ آنکھیں بند کر کے محبت کے اس سفر میں محو تھی مگر زرغم ایک حقیقت پسند انسان تھا اسے اپنی اوقات کا پتہ تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ لائبہ دل و جان سے اس پر فریفتہ تھی اسے پورا یقین تھا کہ اس اس کا پروپوزل اس کے والدین قبول کر لیں گے اور زرغم اس کا جیون ساتھی بن جائے گا۔ آج زرغم کی برتھ ڈے تھی تو لائبہ کے اصرار اور فرمائش پر انہوں نے برتھ ڈے پارٹی ایک فور اسٹار ہوٹل میں منعقد کی۔ تقریب میں صرف وہ دونوں تھے۔ لائبہ کے کہنے پر ہوٹل والوں نے پوری لابی کو سجایا تھا زرغم نے سالگرہ کا

کیک کاٹا تو لائبہ نے تالیاں بجا کر ہپی برتھ ڈے ٹو یو کہا اور پھر ایک تازہ پھولوں کا بوکے اسے پیش کیا۔ بوکے کے اوپر ایک زیرو میٹر موٹر سائیکل کی چابی رکھی تھی۔ لائبہ نے بڑے خلوص سے کہا زرغم یہ آپ کی سالگرہ کا ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔ زرغم یہ دیکھ کر حیران رہ گیا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنا مہنگا اور قیمتی تحفہ اسے ملے گا اور وہ بھی ایک لڑکی کی طرف سے مگر زرغم نے موٹر سائیکل لینے سے انکار کر دیا۔ یہ اس کی انا اور وقار کے خلاف تھا وہ اتنا مہنگا تحفہ نہیں لے سکتا تھا۔ لائبہ نے اس کی بہت منتیں کیں اور پھر اس نے اپنی بہت بڑی قسم دی اور کہا اگر وہ یہ تحفہ نہیں لے گا تو لائبہ کا مرا ہوا چہرہ دیکھے گا تو بادل نخواستہ اسے یہ تحفہ قبول کرنا پڑا۔ اب وہ روزانہ موٹر سائیکل پر یونیورسٹی آتا اور جاتا تھا۔ کبھی کبھی لائبہ اس کے پیچھے بیٹھ جاتی اور وہ دونوں لانگ ڈرائیو پر نکل جاتے۔ وقت گزرتا رہا اور دونوں کے فائنل امتحان سر پر آ گئے۔ زرغم نے بھرپور تیاری سے امتحان دیا اور حسب روایت یونیورسٹی میں ٹاپ کیا۔ یونیورسٹی انتظامیہ نے ایک بہت شاندار تقریب کا انعقاد کیا اور اسے گولڈ میڈل دیا۔ لائبہ نے بھی زندگی میں پہلی بار فرسٹ ڈویژن حاصل کی اس کے ممی پاپا بہت خوش تھے کہ ان کی بیٹی کے بہترین نمبروں سے ماسٹرز کر لیا ہے۔ لائبہ جانتی تھی کہ اس کی اس کامیابی میں زرغم کا ہاتھ ہے۔ لائبہ کی اس کامیابی کو سیلیبریٹ کرنے کے لئے انہوں نے ایک بہت بڑی پارٹی کا انتظام کیا اور اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں کو پارٹی میں انوائیٹ کیا۔ لائبہ نے بطور خاص زرغم کو اس پارٹی میں بلایا۔ زرغم نے اسے تحفہ دینے کے لئے ایک خوبصورت گھڑی خریدی اور اسے گفٹ پیپر میں پیک کروایا۔ پارٹی میں تمام مہمان آ چکے تھے۔ زرغم بھی پارٹی میں پہنچ گیا مگر وہ اکیلا سب سے الگ تھلگ بیٹھا تھا کیونکہ وہاں سب امیر، کبیر، تکبر، نخوت اور دولت سے چور لوگ بیٹھے تھے کسی نے بھی زرغم کو لفٹ نہیں کرائی مگر لائبہ بہت پرتپاک، خلوص اور چاہت سے زرغم سے ملی اور سب مہمانوں سے اس کا تعارف کروایا اور بتایا کہ اس کی کامیابی میں زرغم کا ہاتھ ہے اگر زرغم کا ساتھ نہ

ہوتا تو شاید وہ یہ کامیابی حاصل نہ کر پاتی۔ اس نے سب کو بتایا کہ زرغم نے یونیورسٹی میں ٹاپ کیا ہے اور گولڈ میڈل حاصل کیا ہے تو صرف ایک یا دو بندوں نے ویلڈن کہا باقی سب خاموش رہے۔ لائبہ کے والد سیٹھ کامران لاشاری نے پرتکبر انداز سے اسے کہا مسٹر گولڈ میڈلسٹ ان کی ایک فیکٹری میں سیل سپروائزر کی اسامی خالی پڑی ہے۔ اسے جاب کی ضرورت تو ہو گی تو اس لئے وہ یہ نوکری جوائن کر سکتا ہے۔ مگر زرغم نے معذرت کی اور گھڑی کا تحفہ لائبہ کو پیش کیا تو اس نے فوراً پیکٹ سے وہ گھڑی نکال کر پہن لی۔ پارٹی کافی رات گئے تک چلتی رہی۔ مگر زرغم جلد ہی وہاں سے لوٹ آیا گھر آ کر وہ بہت اداس ہو گیا کیونکہ اس کے ماں باپ اب اس دنیا میں نہیں تھے جو اس کی شاندار کامیابی کو مناتے اس کی کامیابی کو منانے والا کوئی نہ تھا اس لئے وہ اداس چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔

زرغم کی روزانہ فون پر لائبہ سے ڈھیروں باتیں ہوتیں وہ اسے بہت حوصلہ اور دلاسہ دیتی۔ لائبہ اتنی امیر ہونے کے باوجود بہت نرم اور سادہ دل لڑکی تھی وہ من کی سچی اور پرخلوص لڑکی تھی اس کے اندر بہت احساس اور دردمند دل تھا۔ ایک دن باتوں باتوں میں اس نے زرغم سے کہا کہ چھوٹی موٹی ملازمت ڈھونڈنے کے بجائے اسے سی۔ ایس۔ ایس کرنا چاہئے کیونکہ وہ انتہا کا لائق، ذہین اور محنتی لڑکا ہے۔ لائبہ کا مشورہ معقول تھا چنانچہ اگلے ہی دن اس نے سی۔ ایس۔ ایس کے امتحان کا سلیبس حاصل کیا۔ بازار سے کتابیں لیں اور امتحان کی تیاری شروع کر دی۔ ساتھ ساتھ اپنی ٹیوشنز بھی جاری رکھیں وہ دن رات امتحان کی تیاری میں مصروف رہتا وہ بڑی محنت کر رہا تھا ادھر جیسے ہی لائبہ نے ماسٹرز کیا اس کے رشتے آنے شروع ہو گئے مگر لائبہ شادی تو صرف زرغم سے کرنا چاہ رہی تھی اس کی سوچ یہ تھی کہ زرغم سی۔ ایس۔ ایس کر کے کوئی اعلیٰ ملازمت حاصل کر لے گا تو وہ اسے کہے گا کہ شادی کا پروپوزل لے کر آئے تو لائبہ نے اپنی ممی سے صرف یہ بات کی کہ ابھی سال دو سال وہ شادی نہیں کر سکتی اس لئے

آپ آنے والے رشتوں کو منع کر دیں ابھی وہ ایم فل کرے گی پھر شادی کرے گی۔
ایم فل کے لئے بھی دو سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے تب تک زرغم اپنا سی۔ ایس۔ ایس کا امتحان کلیئر کرے گا۔ اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ لہٰذا اس کے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ایم فل کرنے کی اجازت مل گی۔ لائبہ کے ابو سیٹھ کامران لاشاری بہت سخت مزاج انسان تھے وہ اپنی اولاد اور ملازمین پر حکم چلانا جانتے تھے۔ اپنے حکم کے آگے وہ کسی کے منہ سے لفظ ''نہیں'' سننے کے عادی نہیں تھے۔ ان کا فیصلہ صحیح ہے یا درست مگر وہ اپنا ہر فیصلہ منوانا جانتے تھے۔ ان کے چاروں بیٹے ان کے سامنے رہتے تھے اور وہ اپنے ملازمین کو کیڑے مکوڑے سمجھتے تھے۔ ان میں بہت تکبر، اکڑ اور گھمنڈ تھا۔ کاروبار کے متعلق ہر فیصلہ وہ خود کرتے تھے ان کے فیصلوں کے آگے ان کے بچوں کو دم مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ لائبہ اپنے باپ کی سوچ اور اطوار کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ دل و جان سے زرغم پر فریفتہ تھی وہ ہر حال میں زرغم سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر اسے یہ بھی علم تھا کہ اس کے پاپا کسی قیمت پر یہ شادی نہیں ہونے دیں گے انہیں تو کروڑ پتی اپنے جیسا داماد چاہیئے تھا مگر زرغم کے پاس کیا تھا اتنی قابلیت اور خوبیاں ہونے کے باوجود وہ مفلوک الحال تھا۔ اکثر لائبہ یہی سوچتی رہتی بالآخر اس نے سارا معاملہ اپنے رب پر چھوڑ دیا وہ اپنے اور زرغم کے ملن کی بہت دعائیں کرتی کہتے ہیں دعا مومن کا ہتھیار ہے دعا سے تو تقدیر بدل جاتی ہے اسے اللہ پر پورا بھروسہ تھا اور اسی بھروسے پر وہ ایم فل کر رہی تھی۔ ادھر زرغم نے اپنے آپ کو پڑھائی میں گم کر لیا وہ دن رات کتابوں میں مشغول رہتا ایک لائبریری اس نے جوائن کی ہوئی تھی وہ روزانہ لائبریری جاتا جہاں وہ سارے اخبارات کا مطالعہ کرتا اور اپنے امتحان سے متعلقہ کتابیں پڑھتا اسی روٹین میں پورا سال گزر گیا اور آخر سی۔ ایس۔ ایس کے امتحان کی تاریخ آ گئی۔ زرغم نے پوری تیاری کے ساتھ امتحان دیا۔ جب رزلٹ آیا تو اس نے ٹاپ کیا تھا۔ اس کی شب و روز کی محنت کا پھل اسے مل گیا۔ اب اگلا مرحلہ انٹرویو کا تھا

وہ پورے کانفیڈنس کے ساتھ سلیکشن بورڈ کے سامنے پیش ہوا تقریباً چالیس منٹ تک اس کا انٹرویو ہوا اس نے بورڈ کے ہر سوال کا مدلل جواب دیا بالآخر وہ انٹرویو میں بھی کامیاب رہا۔ جب رزلٹ آیا تو وہ پولیس میں اے۔ ایس۔ پی کے عہدے کے لئے نامزد ہو چکا تھا۔ جب اسے تقرر کا لیٹر ملا تو اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے وہ سب سے پہلے قبرستان اپنے ماں باپ کی قبروں کی زیارت کرنے گیا اور انہیں یہ خوشخبری سنائی۔ شہر خموشاں میں خاموشی کا راج تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے قبر پر تازہ گلاب کے پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں اور ان کے ایصال ثواب کے لئے کلام مقدس کی تلاوت کی اور قبروں کے پاس بیٹھ گیا اور ان سے باتیں کرنے لگ گیا مگر ان سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ وہ ایک گھنٹہ قبرستان رہا پھر گھر آ کر اس نے لائبہ کو کال کی اور اپنے اے ایس پی بننے کا بتایا تو لائبہ خوشی سے دیوانی ہو گئی اس نے زرغم کو مبارکباد دی اور نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ اسی شام وہ ایک ہوٹل میں ملے۔ کھانا کھایا اب اگلا پلان زرغم نے یہ بتایا کہ اس کی دو سال کی ٹریننگ اسلام آباد۔ سی ایس۔ پی اکیڈمی میں ہوگی لہٰذا وہ صبح ہی اسلام آباد روانہ ہو رہا ہے کیونکہ پرسوں سے اس کی ٹریننگ شروع ہو رہی ہے۔ چنانچہ اگلے دن اس نے رخت سفر باندھا اور اسلام آباد پہنچ گیا زرغم نے سنجیدگی سے ٹریننگ کورس اٹینڈ کرنا شروع کر دیا روزانہ رات کو لائبہ سے لمبی باتیں کرتا۔ اس کی ٹریننگ شروع ہوئے تین ماہ ہوئے تھے کہ عید الفطر آ گئی۔ ایک ہفتہ کی چھٹیاں تھیں اس کے ٹریننگ فیلوز سب اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے تو مجبوراً زرغم کو بھی لاہور آنا پڑا۔ عید کی نماز پڑھنے کے بعد زرغم اپنے گھر آیا تو لائبہ کی کال آ گئی اس نے عید کی مبارکباد دی اور اپنے ملازم کے ہاتھ کھانا اور میٹھا اس کے گھر بھیجا۔ عید کے دوسرے دن ان کی ملاقات ہوئی تو لائبہ پریشان تھی اور گہری سوچوں میں تھی۔ زرغم نے پوچھا تو لائبہ کہنے لگی کہ رات ممی پاپا میری شادی کی بات کر رہے تھے۔ میرے پاپا نے مجھ سے پوچھے بغیر میری مرضی اور رضامندی جانے بغیر

میرا رشتہ اپنے دوست سیٹھ ناصر کے بیٹھے گلفام سے طے کر دیا ہے۔ گلفام ایک دل کا پھینک اور عیاش لڑکا ہے۔ اس کی کئی گرل فرینڈز ہیں۔ وہ شراب بھی پیتا ہے اور کبھی کبھی حقا بھی کھیلتا ہے۔ اس میں خوبی صرف یہ ہے کہ وہ بہت امیر ہے اس کے پاس بہت دولت ہے مگر اس کا کردار نہیں ہے تو زرغم آپ مجھے بتاؤ کیا میں ایسے شخص کے ساتھ خوش رہ سکتی ہوں......؟ وہ شخص مجھے کیا عزت دے گا میری کیا قدر کرے گا۔ میرے پاپا میرے جیتے جی میری زندگی جہنم بنا رہے ہیں جبکہ ہماری شریعت ہمارے مذہب ہمارے دین اسلام میں یہ بات ہے کہ لڑکی کی شادی سے پہلے اس کی مرضی پوچھی جائے مگر میرے پاپا نے مجھ سے نہیں پوچھا اور میرا رشتہ ایک بدکردار اور عیاش لڑکے سے کرنے جا رہے ہیں، میں یہ شادی ہرگز نہیں کروں گی میں مر جاؤں گی اپنی جان دے دوں گی مگر گلفام کو اپنا مجازی خدا نہیں مانوں گی۔ تو زرغم نے کہا نہیں نہیں تم ہرگز ایسا نہ سوچو اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھو اور اس رشتے سے انکار کر دو اپنے ممی پاپا کو بتا دو کہ تم یہ شادی نہیں کرو گی تو لائبہ بولی کوئی فائدہ نہیں پاپا کسی کی سنتے کب ہیں، انہیں انکار سننے کی عادت نہیں ہے، وہ تو اپنا ہر فیصلہ منوانا چاہتے ہیں مگر میں ان کا یہ فیصلہ نہیں مانوں گی خواہ اس کے لئے مجھے کتنی بھی بڑی قربانی دینی پڑے، اچھا تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟ زرغم نے لائبہ سے پوچھا تو لائبہ بولی زرغم میں دل کی گہرائیوں سے آپ کو چاہتی ہوں بہت پیار کرتی ہوں آپ سے۔ آپ کے علاوہ کوئی میرا جیون ساتھی بننے میں نے یہ کبھی نہیں سوچا اور نہ ہی کوئی آپ کی جگہ لے سکتا ہے۔ تو میں نے کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں شادی کروں گی تو صرف اور صرف آپ سے ورنہ میں جان دے دوں گی، میں مر تو سکتی ہوں مگر کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ زرغم نے لائبہ کے ہاتھ پکڑ لئے اور کہنے لگا لائبہ محبت کی اس آگ میں تم ہی نہیں میں بھی جل رہا ہوں۔ مجھے بھی عشق ہے۔ تم سے اور بے انتہا ہے اگر تم مجھے نہ ملی تو میں ساری زندگی شادی نہیں کروں گا تمہاری یادوں کے سہارے جی لوں گا۔ تو لائبہ کہنے لگی آگ ہے دونوں

طرف لگی ہوئی تو ٹھیک ہم فوراً نکاح کر لیتے ہیں میں نکاح نامے کی کاپی گھر والوں کو دکھا دوں گی پھر دیکھتی ہوں وہ کیسے میری شادی گلفام سے کرتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی عید کی چھٹیاں ختم ہوئیں لائبہ اور زرغم نے کورٹ میرج کر لی اور نکاح نامے کی ایک کاپی اپنے ساتھ گھر لے گئی زرغم بھی اسلام آباد لوٹ گیا، دونوں کی یہ کیسی شادی تھی، نہ ڈھولک بجی، نہ مہندی لگی، نہ بارات آئی، نہ ہی لائبہ نے دلہنوں والا سرخ جوڑا پہنا، نہ سہاگ رات ہوئی اور نہ ہی ولیمہ بس دونوں عدالت میں میاں بیوی کے رشتے میں بندھ گئے، لائبہ ریلیکس ہو گئی وہ اپنے اس فیصلے سے مطمئن تھی۔ آج رات وہ بڑے سکون سے سوئی ہر فکر و غم سے آزاد، اُدھر زرغم بھی اپنے اس فیصلے سے بہت خوش تھا اور اپنی ٹریننگ میں مصروف تھا۔ اب دونوں میاں بیوی کے مقدس رشتے میں بندھ چکے تھے۔ دونوں کی روزانہ فون پر لمبی لمبی باتیں ہوتیں۔ وقت گزرتا گیا اور آخر زرغم کی ٹریننگ مکمل ہو گئی اس کی خدمات حکومت پنجاب کے سپرد کر دی گئیں اور آج اس نے انسپکٹر جنرل پولیس پولیس لاہور کے آفس میں اپنی ارائیول رپورٹ پیش کر دی۔ آئی جی صاحب نے اسے اپنے ہی دفتر میں کچھ عرصہ کے لئے رکھ لیا اور اسے سینئر پولیس افسران کے ساتھ اٹیچ کر دیا تاکہ وہ اپنی جاب کے متعلق عملی طور پر کام سیکھ لے۔

رقیہ بیگم کا تعلق انڈیا کے شہر امرتسر سے تھا وہاں ان کی دس مربعے زرعی زمین اور ایک بہت بڑی حویلی تھی جس میں ان کا سارا خاندان آباد تھا، رقیہ بیگم کے ماں باپ بہت خوشحال تھے، زمین کے علاوہ ان کے پاس بہت روپیہ، سونا، چاندی، گائیں، بھینسیں اور گھوڑے تھے، ان کے والد غلام حیدر اپنے گاؤں کے سرپنچ اور نمبردار تھے۔ ان کا پورے علاقے میں بہت اثر رسوخ تھا۔ وہ باقاعدہ پنچایت میں لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ جس گاؤں میں ان کی رہائش تھی اس گاؤں کی آبادی تقریباً پچیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی جن میں زیادہ سکھ تھے دوسرے نمبر پر ہندو تھے اور تیسرے نمبر پر مسلمان تھے مسلمانوں کی آبادی صرف تین یا چار ہزار تھی، باقی سب ہندو اور سکھ تھے۔

پاکستان بننے سے پہلے لوگ بلا رنگ ونسل اور مذہب کے آپس میں بڑے پرامن طریقے سے رہتے تھے ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں برابر شریک ہوتے اور سب کے کام آتے، پیار محبت کی فضا تھی کوئی کسی قسم کی واردات، دھوکہ اور فراڈ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔غلام حیدر صاحب کی زمین سب سے زیادہ تھی وہ خوشحال بھی تھے اور علاقے کے سرپنچ بھی تھے، اس لئے پورے علاقے میں ان کی بہت عزت تھی۔ غلام حیدر صاحب بہت نرم دل انسان ہونے کے ساتھ ساتھ سخاوت کرنا ان کی گھٹی میں شامل تھا۔کوئی بھی سائل ان کی حویلی سے خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔کئی بیوہ عورتوں، ناداروں اور مسکینوں کے وظائف انہوں نے باندھے ہوئے تھے ان کی مدد اس طریقہ سے کی جاتی تھی کہ کسی دوسرے بندے کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی پورے علاقے کا ماحول بہت اچھا تھا مگر جب تحریک پاکستان شروع ہوئی قائداعظم محمد علی جناح نے الگ وطن پاکستان کا مطالبہ انگریزوں سے کیا تو ہندوؤں اور سکھوں کے دل میں میل آنا شروع ہوگیا اور انہوں نے مسلمانوں سے نفرت کرنا شروع کردی۔ غلام حیدر صاحب قائداعظم سے بہت محبت کرتے تھے اور دوقومی نظریے کی بھرپور حمایت کرتے تھے وہ ایک دوبار قائداعظم سے مل بھی چکے تھے انہوں نے باقاعدہ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور اس کے فنڈ میں پیسے بھی دیتے تھے جوں جوں پاکستان بننے کی تحریک میں شدت آنے لگی تھی توں توں ہندو اور سکھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر دنگے فسادات شروع ہوگئے۔ 1946ء میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر مسلمانوں نے گائے اور بیل ذبح کئے تو ہندوؤں نے گاؤ ماتا کی رکھشا کے لئے مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا۔مسلمان اکٹھے ہوکر غلام حیدر صاحب کے پاس آئے اور پنچایت بلائی مگر ہندوؤں اور سکھوں نے پنچایت کا فیصلہ ماننے سے انکار کردیا الٹا پنچایت کو دھمکیاں دیں کہ اب اگر مسلمانوں نے گائے یا بیل کو ذبح کیا تو وہ اس پورے خاندان کو ختم کردیں گے۔مسلمان مجبور ہوکر امرتسر کے تھانے میں پولیس کے

پاس گئے مگر وہاں بھی ان کی شنوائی نہ ہوئی۔ چونکہ اس گاؤں میں مسلمان اقلیت میں تھے اس لئے چپ ہوکر بیٹھ گئے۔اب تمام مسلمانوں کا یہی مطالبہ تھا کہ لے کر رہیں گے پاکستان، پاکستان اور ان کا یہ مطالبہ ہندوؤں اور سکھوں کو برا لگتا تھا۔جوں جوں تحریک پاکستان آگے بڑھ رہی تھی مسلمانوں کے جوش وخروش میں اضافہ ہورہا تھا۔ اب پہلے جیسی فضا نہیں رہی تھی۔ ہندوؤں اور سکھوں میں بہت اشتعال آگیا تھا ان کی نظر میں ہر مسلمان کھٹکنے لگا تھا۔چونکہ غلام حیدر صاحب تحریک پاکستان کے ایک فعال رکن اور کارکن تھے ان کی سپورٹ سے تحریک کو بہت فائدہ ہورہا تھا تو ہندوؤں نے ایک خفیہ میٹنگ ایک ہندو اشوک کمار کے گھر بلائی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ غلام حیدر صاحب کو ختم کردیا جائے سب نے اس فیصلے کی بھرپور تائید کی اور آخر ہندو اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگئے ایک شام انہوں نے غلام حیدر صاحب کے بے دردی سے شہید کردیا۔غلام حیدر صاحب کی شہادت کے بعد ہندوؤں اور سکھوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ ہر روز مسلمانوں کا قتل عام ہوتا ہر طرف بدامنی اور انتشار تھا۔رقیہ بیگم کے خاندان نے ہندوستان سے پاکستان ہجرت کا فیصلہ کیا۔اتنی بڑی حویلی اور زمین چھوڑ کر جانے کا فیصلہ بڑا مشکل تھا کیونکہ کئی سالوں سے ان کے آباؤ اجداد اس سرزمین پر رہ رہے تھے اور ان کی قبریں یہاں تھیں مگر اب یہاں رہنا بھی دشوار تھا 3 جون 1947ء کے منصوبے میں پاکستان کے قیام کا اعلان ہوگیا تو مہاجرین نے ہجرت شروع کردی۔ رقیہ بیگم کے خاندان میں تقریباً پچاس کے قریب افراد تھے۔ جب پاکستان بنا تو اس وقت رقیہ بیگم کی عمر صرف دس سال تھی۔وہ دھان پان سی بہت معصوم بچی تھی۔جب ان کا قافلہ چلا تو ہندوؤں اور سکھوں نے اس پر حملہ کردیا اور تمام افراد کو شہید کردیا۔صرف رقیہ بیگم اور اس کا چچازاد رشید زندہ بچے جس طرح وہ دونوں گرتے پڑتے جس حال میں پاکستان پہنچے وہ ان کا خدا جانتا ہے یا صرف وہ۔رشید کی عمر اس وقت صرف تیرہ سال تھی دونوں بچے بے یارو مددگار لاہور کے کیمپ میں پڑے رہے

پھر ایک میاں بیوی کو ان پر ترس آیا وہ ان دونوں کو اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ وہ دونوں بے اولاد تھے۔

زرغم کو آئی جی صاحب کے دفتر میں کام کرتے تین ماہ ہو گئے تھے۔ایک شام وہ دفتر سے اٹھنے کا سوچ رہا تھا کہ اسے لائبہ کی کال آئی۔لائبہ نے زرغم سے پوچھا آپ کدھر ہو؟ تو زرغم نے جواب دیا کہ ابھی آفس میں ہوں کیوں خیریت ہے نا؟ تو لائبہ نے بتایا کہ خیریت کہاں ہے۔ میں فلاں جگہ پر کھڑی ہوں بس آپ جلدی سے آجاؤ میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں، باقی آپ کے آنے پر ساری بات بتاؤں گی،تو زرغم نے اوکے بولا اور اگلے لمحے وہ آفس سے باہر تھا، آندھی اور طوفان کی طرح موٹر سائیکل بھگا نے لائبہ کے بتائے ہوئے ایڈریس پر جا رہا تھا۔تقریباً بیس یا پچیس منٹ بعد وہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ لائبہ ایک کونے میں سمٹ کر کھڑی ہے۔جیسے ہی زرغم پہنچا تو لائبہ جلدی سے اس کے پیچھے موٹر سائیکل پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی مجھے اپنے گھر لے چلو وہاں پہنچ کر آپ کو ساری بات بتاتی ہوں۔زرغم نے موٹر سائیکل اپنے گھر کی طرف موڑ دی اور لائبہ سے مزید کوئی سوال نہ کیا اور خاموشی سے موٹر سائیکل چلانے لگا۔تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ اپنے گھر پہنچ گیا تو اب اس نے لائبہ سے پوچھا بتاؤ کیا بات ہے؟ تو لائبہ بولی کہ رات کو میرے بابا نے میرا رشتہ گلفام کے ساتھ فائنل کر دیا ہے اور مجھے بتایا کہ اس اتوار کو میری منگنی ہے اپنی مما کے ساتھ بازار جاؤ اور منگنی کی شاپنگ کر لو۔ میں نے پوچھا کس کے ساتھ میرا رشتہ طے کیا ہے؟ تو پاپا بولے گلفام کے ساتھ۔تو میں نے کہا اچھا وہ گلفام جو شراب بھی پیتا ہے،کبھی کبھی جوا بھی کھیلتا ہے اور کئی اس نے گرل فرینڈز بنا کر رکھی ہوئی ہیں،تو پاپا بولے نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔تو میں نے کہا ایسا ہی ہے آپ۔آپ نے کیا نمونہ میرے لئے ڈھونڈا ہے گلفام سے بہتر ہے کہ میں شادی ہی نہ کروں یا پھر زہر کھا کر اپنی جان دے دوں۔اپنی بکواس بند کرو ہمارے لاڈ پیار کی وجہ سے تم بہت سر پر چڑھ گئی ہو۔ پاپا جان آپ جانتے ہیں کہ

شریعت نے عورت کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے تو آپ میری مرضی کے بغیر یہ شادی نہیں کر سکتے۔لائبہ تمہیں یہ شادی کرنی پڑے گی اس لئے کہ یہ میرا فیصلہ ہے۔ پاپا جان میں یہ شادی نہیں کر سکتی اس لئے کہ تقریباً دو سال پہلے میں شادی کر چکی ہوں۔ یہ کہہ کر میں نے اپنے نکاح نامے کی فوٹو کاپی انہیں دے دی۔ پاپا حیران پریشان میرے منہ کی طرف دیکھنے لگے اور پوچھنے لگے کس سے شادی کی ہے؟ تو میں نے بتایا کہ زرغم اے ایس پی پولیس سے وہ جس کو آپ اپنی فیکٹری کے سیل سپروائزر کی پوسٹ آفر کر رہے تھے۔ وہ زرغم جس نے سی۔ایس۔ایس کے امتحان میں ٹاپ کیا تھا اور آج وہ اے۔ایس۔ پی ہے اور میرا مجازی خدا ہے۔ وہاٹ...... نان سینس۔ یہ تم کیا بکواس کر رہی ہو؟ بکواس نہیں کر رہی پاپا جان آپ کو حقیقت بتا رہی ہوں۔ یہ کیا تم نے دو ٹکے کے انسان کو میرا داماد بنا دیا ہے جس کے خاندان کا ہی نہیں پتہ۔ پاپا جان وہ دو ٹکے کا انسان نہیں ہے۔آئندہ میں ان کے خلاف کوئی تضحیک یا بے عزتی کے الفاظ نہ سنوں گی۔ پاپا نے کہا میں زرغم سے طلاق لے لوں اور گلفام سے شادی کر لوں تو میں نے انکار کر دیا اس پر پاپا نے کہا میں تمہیں اپنی جائیداد سے عاق کرتا ہوں اور ابھی کے ابھی میرے گھر سے ہمیشہ کے لئے دفع ہو جاؤ اور آئندہ مجھے اپنی صورت نہ دکھانا تو میں پاپا کا گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ آئی ہوں۔ مما نے پاپا کو بہت سمجھایا مگر انہوں نے ان کی کوئی بات نہ مانی۔ مجھے مما نے بہت روکنے کی کوشش کی مگر پاپا نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔زرغم بولا میں اس سچویشن کی توقع کر رہا تھا اور ایسا ہی ہوا ہے۔ لائبہ تم سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئی ہو بڑے ناز و نعم میں تمہاری پرورش ہوئی ہے۔ میری پوزیشن تمہارے سامنے ہے۔ چند ہزار روپے میری تنخواہ ہے۔کیا تم گزارا کر لو گی؟ لائبہ بولی زرغم میں نے آپ کے لئے ہر رشتے کو ٹھکرا دیا ہے اور واپسی کے دروازے بند کر آئی ہوں، میرا سب کچھ اب آپ ہو، میں نے ہر حال میں آپ کے ساتھ ہی رہنا ہے۔زرغم کے لبوں پر مسکان آگئی اور اس نے اپنی بانہیں

واکردیں اگلے لمحہ لائبہ اس کے سینے سے لگ گئی، زرغم بولا، لائبہ آج ہماری سہاگ رات ہے تو چلو آؤ بازار سے کچھ شاپنگ کرآئیں، زرغم نے یونیفارم اتارا سول ڈریس پہنا اور لائبہ کو ساتھ لیا اور بازار آگیا جہاں سے اس نے ایک سونے کی انگوٹھی، لائبہ کے کچھ سوٹ اور گھریلو اشیاء خریدیں اور لدھے پھلندے گھر آئے رات کا کھانا انہوں نے ہوٹل سے کھایا اور پھر وہ دونوں سونے کے لئے کمرے میں چلے گئے۔
جہاں زرغم نے لائبہ کو سونے کی انگوٹھی کا تحفہ دیا اور کہنے لگا لائبہ یہ تحفہ تمہارے شایان شان نہیں ہے بہت حقیر تحفہ ہے کیونکہ تم ایک امیر کبیر باپ کی ناز ونعم میں پلی بیٹی ہو، جبکہ میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔تم نے میری خاطر اپنے ماں باپ، بھائی، گھر بار، عیش وعشرت اور دولت کو چھوڑ دیا ہے اور صرف میری ہوگئی ہے۔لائبہ تم نے بہت بڑی قربانی دے دی ہے، جسے میں کبھی بھول نہ پاؤں گا تو لائبہ بولی زرغم آپ کا یہ تحفہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ یہ آپ کے حق حلال کی کمائی کا ہے میں اسے ہمیشہ پہنے رکھوں گی دوسرا ہمارا عشق سچا اور پاکیزہ ہے آپ ایک بلند کردار شریف، نیک اور مخلص انسان ہیں۔اب ہم ایک جان دو قالب ہیں۔الحمدللہ میرے اللہ کی پاک ذات نے ہمیں ملا دیا ہے۔ ہمارا ملن سچا ہے اور انشاء اللہ زندگی بھر ہم کبھی جدا نہ ہونگے میں دل و جان سے آپ کی خدمت کروں گی۔ لائبہ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی تم سے بے وفائی نہیں کروں گا۔دعا کرو اللہ رب العزت ہمیں استقامت عطا فرمائے۔اس کے بعد دونوں نے وضو کیا عشاء کی نماز ادا کی اور نماز کے بعد شکرانے کے نوافل ادا کئے اور اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا کی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے اچھے ساتھی ثابت ہوں، ہر دکھ سکھ میں قدم سے قدم ملا کر چلیں ہمیں پاک اور طیب رزق نصیب ہو اور ہماری اولاد نیک، صالح اور فرماں بردار ہو۔
رقیہ بیگم اور رشید کو جو لوگ لاہور سے لے کر گئے وہ ایک اسکول ٹیچر عظمت تھے جب پاکستان بنا تو وہ دونوں میاں بیوی پاکستان آگئے۔عظمت صاحب نے محکمہ

ایجوکیشن میں رابطہ کیا تو محکمہ نے ان کی ویری فکیشن کے بعد انہیں لاہور سے ڈیڑھ سو کلو میٹر دور ایک تحصیل میں ٹرانسفر کر دیا ہے تو انہوں نے رقیہ بیگم اور رشید کو ساتھ لیا اور اس تحصیل میں آگئے جس اسکول میں عظمت صاحب کی ٹرانسفر پوسٹنگ ہوئی وہ ایک مڈل اسکول تھا انہیں رہنے کے لئے ایک گھر بھی مل گیا جو ایک ہندو فیملی چھوڑ کر گئی تھی۔
عظمت صاحب اور سردار بی بی بے اولاد تھے تو انہوں نے ماں باپ بن کر رقیہ اور رشید کو پالا اور انہیں پیار، شفقت اور محبت دی، رشید کو انہوں نے اپنے اسکول میں داخل کرلیا اور رقیہ کو ایک گرلز اسکول میں داخل کروا دیا۔رقیہ نے انہیں بتایا کہ وہ امرتسر کی رہنے والی ہے اس کے ابا غلام حیدر کی دس مربعے زرعی زمین تھی وہ بہت خوشحال گھرانہ تھا تو عظمت صاحب کہنے لگے۔ بیٹی میں پوری کوشش کروں گا کہ جو زمین تمہارے ابو کے نام تھی اس کے بدلے میں تمہیں یہاں زمین مل جائے تو عظمت صاحب نے اپنی اولین فرصت میں کوشش شروع کر دی اور اس ضمن میں تمام کاغذات بنوانے شروع کر دیئے۔اس دور میں اسکول ٹیچر کی بہت عزت اور احترام تھا وہ جس محکمہ میں بھی جاتے تو اہلکاران کی بات کو سنتے تھے مگر متعلقہ محکمہ میں کچھ کالی بھیڑیں بھی تھیں وہ رشوت لینے کے لئے ان کی راہ میں روڑے اٹکاتے اور کاغذات پر فضول اور بے معنی اعتراضات لگاتے مگر عظمت صاحب نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی کوششیں جاری رکھیں ا۔ایک تو رقیہ کو انہوں نے بیٹی بنایا ہوا تھا دوسرا وہ یتیم تھی تیسرا وہ اللہ اور اس کے رسول کے نام پر رقیہ کی مدد کر رہے تھے وہ چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی کو اس کا پورا پورا حق مل جائے۔ وہ دن رات اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا بھی کرتے اور بھرپور کوشش بھی کر رہے تھے اور بالآخران کی دس سال کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور اسی تحصیل میں رقیہ بیگم کے نام دس مربع زمین تو الاٹ نہ ہوئی بلکہ صرف چھ مربعے زمین رقیہ بیگم کے نام الاٹ ہوئی تو رقیہ کہنے لگی۔ابا جان اللہ کا شکر ہے کہ چھ مربعے زمین الاٹ ہوگئی ہے اور وہ ساری اکٹھی زمین ہے جو ہمیں ملی ہے۔ جو زمین الاٹ ہوئی اس میں کچھ

زرخیز تھی کچھ بنجر اور کچھ غیر زرخیز تھی۔ مگر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور سارے کاغذات رقیہ کے حوالے کر دیئے۔ رشید کی عمر اب تیئس سال ہو چکی تھی اور رقیہ کی عمر بیس سال ہوگئی رشید بڑا سوہنا گبھرو جوان تھا۔ عظمت صاحب کی توجہ، راہنمائی اور محنت سے دونوں نے میٹرک پاس کرلیا تھا اور قرآن پاک ناظرہ دونوں نے مکمل کرلیا تھا اور پھر ایک دن انہوں نے دونوں کی شادی کر دی، عظمت صاحب کی عمر ساٹھ سال ہو چکی تھی اور وہ اپنی ملازمت سے ریٹائرڈ ہوگئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد دونوں میاں بیوی نے حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کر لی کچھ رقم انہوں نے رشید کو دی جس سے اس نے اپنی زمین پر کاشتکاری شروع کر دی۔ اس علاقے کا زیر زمین پانی بہت اچھا اور میٹھا تھا ایک بڑی نہر بھی گزرتی تھی تو ان کی فصل بہت اچھی ہوتی اور اچھے داموں بک جاتی اب ان کے ہاں خوشحالی آنی شروع ہوگئی تھی اور ان کے پاس جدید زرعی آلات آنا شروع ہوگئے۔

پیر نفاست علی شاہ اس علاقے کا بارسوخ انسان تھا وہ اصلی سید نہیں تھا جعلی شاہ بنا ہوا تھا اس کے مریدین کی تعداد ہزاروں میں تھی اس نے سید اور پیر ہونے کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا در پردہ اس کے بہت سارے کالے کرتوت تھے اس نے کئی غنڈے پال رکھے تھے جو اس کے مریدوں کے روپ میں تھے اس کا کام دوسروں کی زمینوں پر قبضہ کرنا اشتہاریوں کو پناہ دینا اور لوگوں کے جانور چوری کرانا تھا۔ وہ اس خفیہ انداز میں یہ سارے کام کرتا تھا کہ کسی کو اس پر شک نہیں ہوسکتا تھا۔ پیری مریدی کی آڑ میں وہ لوگوں سے نذرانے، کالے بکرے، دیسی مرغ اور سونا لیتا اور خوبصورت جوان عورتوں کی آبرو ریزی کرتا سادہ لوح اور جاہل عوام تھی اپنی مرادیں اللہ سے مانگنے کے بجائے پیر نفاست شاہ سے مانگتے جو کہ بہت بڑا شرک ہے مگر لوگ سوچے سمجھے بغیر اللہ کی ناراضگی کو مول لیتے اس کی حویلی میں بے شمار عورتیں بلا معاوضہ خدمات سرانجام دیتیں اور اس کی حویلی میں کام کرنا بڑا سعادت کا کام سمجھتی تھی۔ اس نے ایک بڑا سا حجرہ بنایا ہوا تھا جہاں وہ

روزانہ بیٹھ کر مریدین کے مسائل سنتا تھا۔ حجرے کے ساتھ اس نے ایک بہت بڑی مسجد بنائی ہوئی تھی جہاں وہ جمعہ کے دن خود وعظ کرتا جمعے کا خطبہ دیتا اور نماز جمعہ کی امامت کرواتا، پیر نفاست علی شاہ بہت خوش الحان تھا اس کی آواز میں بہت سوز اور درد تھا جب وہ وعظ کرتا تو لوگ اس کی تقریر سن کر سر دھنتے یہی وجہ تھی کہ جمعہ کو مسجد کھچا کھچ بھری ہوتی لوگ دور دراز سے بڑی عقیدت کے ساتھ جمعہ پڑھنے آتے یہاں بھی وہ مسجد کے نام پر لوگوں کی جیبوں سے ہزاروں روپے نکلوا لیتا۔ اس کا دائرہ کار اب دن بدن بڑھتا جا رہا تھا اور مریدین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جمعہ کی نماز کے بعد وہ لوگوں کو اپنا مرید بناتا اس کے علاوہ پورا سال وہ کسی نہ کسی مرید کا مہمان بنتا رہتا رنگ برنگے اعلیٰ کھانے، پیسے، کپڑے، گرم چادریں اور بھیس تحفے میں وصول کرتا۔ لوگوں کی عقیدت اتنی اندھی تھی کہ جہاں سے اس کی گاڑی گذرتی لوگ زمین پر اس کی گاڑی کے ٹائروں کے نشانات چومتے یہ جہالت اور دین سے دوری کی انتہا تھی لوگ اس کی بداعمالیوں سے ناواقف تھے۔ نفاست شاہ نے تھانے کچہری میں اپنے تعلقات اور اثر رسوخ بنایا ہوا تھا وہ پرندوں اور جانوروں کا شکار کرنے کا شوقین تھا آئے روز وہ تھانیدار، ڈی۔ ایس۔ پی، تحصیل دار، مجسٹریٹ، وکیلوں، اے سی اور ججوں کو شکار کھیلنے کی دعوت دیتا اپنی حویلی میں انہیں بلاتا بٹیرے، مرغابیاں، فاختائیں، ہرن اور بکرے کا گوشت انہیں کھلاتا۔ اپنے باغات سے آم، کینو، مالٹے، چاولوں کی بوریاں اور دیسی گھی وغیرہ ان کے گھروں میں بھیجتا اور اسی وجہ سے پورے علاقے میں اس کا رعب دبدبہ تھا۔ اب اس نے سیاست میں آنے کا فیصلہ کیا کہ وہ ملکی سیاست میں نام کمانا چاہتا تھا آنے والے الیکشن میں حصہ لینے کے لئے اس نے آزاد حیثیت سے ایم۔ پی۔ اے کے لئے اپنے کاغذات نامزدگی جمع کروائے اور الیکشن مہم کے لئے نکل پڑا۔ اس کے جاہل اور بیوقوف مریدوں کی یہ سوچ اور نعرہ تھا کہ ''جان رب دی ووٹ شاہ سائیں دا'' جب الیکشن کا رزلٹ نکلا تو نفاست شاہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوگیا اور حکومتی پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔

اب اس میں تکبر، اکڑ، گھمنڈ اور غرور بہت بڑھ گیا کیونکہ پیر کے ساتھ اب وہ پارلیمنٹیرین بھی تھا اب اس نے اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا اور اپنے اِردگرد کی زمینیں چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کو ڈرا دھمکا کر بدمعاشی کے زور پر اونے پونے داموں خریدنی شروع کر دیں۔ رقیہ بیگم کی زمین اس کی زمین کے ساتھ تھی چونکہ رقیہ بیگم کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے تو زمین کا بیشتر حصہ غیر آباد تھا رشید نے ابھی تھوڑی سی زمین پر کاشتکاری شروع کی تھی، اس کا پروگرام تھا کہ آہستہ آہستہ اس پر کاشتکاری کا دائرہ بڑھاتا جائے گا اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ جدید زرعی آلات خریدتا جائے گا۔ نفاست شاہ کی بڑے عرصے سے اس زمین پر نظر تھی وہ ہر حال میں یہ زمین حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا ایک نمائندہ رشید کے پاس بھیجا اور زمین خریدنے کے لئے اسے آفر دی مگر رشید نے زمین بیچنے سے انکار کر دیا۔ جب نفاست شاہ نے انکار سنا تو وہ تلملا اٹھا آج تک کسی کی اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اسے نہ بولے یہ اس کی بے عزتی تھی۔ کچھ دنوں بعد عظمت صاحب کا انتقال ہو گیا تو نفاست شاہ اپنے ہرکاروں کے ہمراہ تعزیت کرنے رشید کے پاس آیا اور جب واپس جانے لگا تو اس نے رشید سے ایک بار پھر زمین خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس بار بھی رشید نے معذرت کی اور وجہ بتائی کہ یہ ساری زمین اس کی بیوی رقیہ کے نام ہے اور ہم دونوں یہ زمین نہیں بیچیں گے کیونکہ مستقبل میں وہ ساری زمین پر کاشتکاری کریں گے۔ رشید کے منہ سے دوٹوک جواب سن کر نفاست شاہ آگ بگولہ ہو گیا مگر خاموشی سے اپنی حویلی لوٹ گیا۔ یہ چھ مربعے زمین اس کی انا کا مسئلہ بن گیا اسے بخوب علم تھا کہ اگر اس انکار کا دوسرے لوگوں کو پتہ چلا تو اس کی بے عزتی ہوگی اور دوسرا وہ لوگ بھی اپنی زمینیں اسے فروخت نہیں کریں گے۔ اب نفاست شاہ نے اس ساری زمین پر قبضے کا پروگرام بنایا اور دو تین اشتہاری مجرموں کو جو اس کے ہاں پناہ گزین تھے بلایا اور خفیہ طریقے سے رشید کو قتل کرنے کا حکم دے دیا مگر انہیں کہا ابھی دو تین مہینے ٹھہر جائیں کارروائی اس طرح سے

کرنی ہے کہ کسی کو اس پر شک نہ ہو۔ اگر رشید کے قتل میں اس کا نام آیا تو اس کی بہت بدنامی ہوگی اس کی نیک نامی پر حرف آئے گا اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کی ذات پر انگلی اٹھے اس لئے تھوڑا وقت گزر جائے تو رات کے اندھیرے میں اسے ٹھکانے لگا دینا۔

کریم بخش ایک سترہ سال کا جوان تھا جو اس علاقے سے تقریباً پچاس کلومیٹر دور کا رہنے والا تھا۔ وہ ایک سیدھا سادہ شریف لڑکا تھا اس نے بڑے اچھے نمبروں سے میٹرک کیا ہوا تھا وہ مزید پڑھنا چاہتا تھا اس کی خواہش تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر بڑا افسر بنے۔ چنانچہ اس نے کالج میں داخلہ لے لیا وہ کچھ بننے کی دھن میں دن رات محنت سے پڑھ رہا تھا۔ اس کا والد اس کے بچپن میں ہی فوت ہو گیا تھا اس کی ماں محنت مزدوری کر کے اسے پڑھا رہی تھی۔ اس کی ماں بہت اچھی درزن تھی اور سارا دن لوگوں کے کپڑے سیتی مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کی نظر بھی بہت کمزور ہو گئی تھی وہ وقت سے پہلے بوڑھی ہو گئی تھی۔ حالانکہ اس کی عمر صرف پینتالیس سال تھی۔ کریم بخش کا ارادہ تھا کہ وہ ایف۔ اے کر کے کوئی سرکاری نوکری کر لے گا اور نوکری کے ساتھ ساتھ مزید پڑھتا بھی رہے گا اپنی ماں سے کپڑوں کی سلائی کا کام چھڑوا دے گا ان کی خدمت کرے گا اور ان کو آرام دے گا۔ مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ انسان سوچتا کچھ اور ہے مگر اس کی تقدیر میں لکھا کچھ اور ہوتا ہے تقدیر کا لکھا کوئی نہیں مٹا سکتا اور کریم بخش کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ آج بھی وہ حسب معمول کالج گیا۔ کالج میں پہلا پریڈ چل رہا تھا کہ کالج کے صحن سے کچھ شور و غوغا کی آوازیں آنے لگیں۔ کالج میں ہنگامہ ہو گیا طلباء کے دو گروپوں کی آپس میں لڑائی ہو گئی بات گالی گلوچ سے شروع ہوئی اور مار پیٹ تک آ گئی طلباء آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ ایک گروپ کے لڑکے دوسرے گروپ کے لڑکوں کو لاٹھیوں اور ہاکیوں سے پیٹ رہے تھے۔ تمام طلباء کلاس رومز سے باہر آ گئے۔ کریم بخش سے نہ رہا گیا اور آگے بڑھا اور ان کو چھڑانے لگا مگر وہ لڑکے بڑے طیش میں تھے وہ پیچھے نہیں ہٹ رہے تھے۔ ایک لڑکے نے پوری قوت سے ایک زور کا

ڈنڈا ایک لڑکے کو مارا وہ سیدھا اس کے سر میں لگا اس کا سر کھل گیا اور وہ زمین پر گر گیا۔
اس کے سر سے خون کے فوارے نکلنے لگے اور وہ تڑپنے لگا چونکہ اسے بہت گہری ضرب
لگی تھی تو تڑپ تڑپ کر اس نے جان دے دی، مرنے والے لڑکے کا نام منظور تھا۔
منظور بڑا شرارتی اور پھڈے باز لڑکا تھا اس کی پھڈے بازیوں سے سارا کالج عاجز تھا
آج اس نے ایک لڑکے کو گالی دی تھی جس سے ہنگامہ شروع ہوا تھا۔ پہلے تو تو میں ہوئی
پھر لڑائی شروع ہوگئی۔ کسی پروفیسر نے پولیس اسٹیشن کال کر دی تھی تو تھوڑی دیر کے بعد
پولیس آ گئی۔ پولیس کو دیکھ کر منظور کو مارنے والے لڑکے بھاگ گئے۔ کریم بخش بھی
وہاں نہ ٹھہرا اور گھر گیا کیونکہ پرنسپل نے تین دن کے لئے کالج بند کر دیا تھا۔ پولیس
منظور کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے سول ہسپتال لے گئی۔ جب منظور کے قتل کی
ایف۔ آئی۔ آر لکھی جا رہی تھی تو کریم بخش کا نام بھی ایف۔ آئی۔ آر میں لکھوا دیا گیا
حالانکہ کریم بخش سو فیصد بے قصور اور بے گناہ تھا۔ جب پولیس کریم بخش کو گرفتار کرنے
اس کے گھر گئی تو وہ گھر میں نہیں تھا وہ ڈیرے پر پڑھنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ جب پولیس
نے کریم بخش کی ماں کو بتایا کہ اس کا بیٹا قتل میں ملوث ہے تو وہ بے چاری غش کھا کر
گر گئی اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ جب کریم بخش
کو پتہ چلا کہ ایف۔ آئی۔ آر میں اس کا نام بھی ہے اور پولیس اُسے گرفتار کرنے اس
کے گھر گئی تھی تو وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا اور اپنے علاقے سے بھاگ گیا وہ در بدر کی
ٹھوکریں کھاتا ہوا چار دن کے بعد وہ پیر نفاست علی شاہ کے پاس پہنچ گیا اور جا کر اس
کے قدموں میں گر گیا اور رو رو کر اسے ماجرا سنایا۔ پیر نفاست شاہ بڑا گھاک بندہ تھا
چنانچہ اس نے کریم بخش کو پناہ دے دی۔ پولیس تفتیش کر رہی تھی تمام واقعات اور
شہادتوں کے بعد پولیس نے مرکزی ملزم کو گرفتار کر لیا اور باقی لڑکوں کو بے گناہ کر کے
چھوڑ دیا ان بے گناہ ہونے والوں میں کریم بخش بھی تھا۔ پولیس نے اصل ملزم کو پکڑ کر
عدالت میں پیش کر دیا جہاں سے اُسے عمر قید کی سزا ہوگئی۔ ادھر کریم بخش کے عزیز

و اقارب اور محلے داروں نے مل کر اس کی ماں کے کفن دفن کا بندوبست کر کے اسے
دفنا دیا۔ کریم بخش کو اپنی ماں کی موت کا تو پتہ چل گیا تھا مگر یہ پتہ نہ چلا کہ پولیس نے
اسے بے گناہ قرار دے دیا ہے۔ پیر نفاست شاہ کو سارے حالات کا علم تھا مگر اس نے
دانستہ ہر بات کریم بخش سے چھپائی یہ وہ دور تھا نہ ٹیلی فون، نہ موبائل کریم بخش کو کیسے
پتہ چلتا نفاست شاہ نے اسے بتایا کہ اس کو اشتہاری قرار دے دیا گیا ہے۔ مگر پولیس
اس علاقے کا رخ نہیں کرے گی۔ اس نے کریم بخش کو حکم دیا کہ وہ داڑھی رکھ لے اور
اپنا نام بھی تبدیل کر لے۔ کریم بخش کا نیا نام الطاف رکھ دیا گیا اور اس کے سر پر سندھی
ٹوپی پہنا دی گئی۔ اب کریم بخش کا حلیہ مکمل تبدیل ہو گیا تھا۔ نفاست شاہ نے کریم بخش
کو اپنا نوکر بنا لیا۔ اسے بیٹھے بٹھائے ایک مفت کا کاما اور نوکر مل گیا۔ کریم بخش سارا دن
اس کی چاکری کرتا بدلے میں اسے صرف تین ٹائم کا کھانا اور تن ڈھانپنے کے لئے
کپڑے مل جاتے۔ کریم بخش کے سارے خواب مٹی میں مل گئے تھے وہ بڑا افسر بننا
چاہتا تھا۔ مگر حالات نے اسے نفاست شاہ کا نوکر بنا دیا۔ کریم بخش نے آہستہ آہستہ
ڈرائیونگ بھی سیکھ لی تھی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ نفاست شاہ کا ڈرائیور چھٹی پر ہوتا تو اس کی
جگہ کریم بخش گاڑی چلاتا۔ کریم بخش کی ڈرائیونگ سے نفاست شاہ بہت مطمئن تھا۔
نفاست شاہ نے تین شادیاں کی ہوئی تھیں اس کی پہلی بیگم زہرا شاہ تھی جس سے صرف
ایک بیٹی کلثوم تھی۔ نفاست شاہ کو بیٹوں کا شوق تھا تو اس نے بیٹے کے لئے دوسری شدی
عذرا نامی ایک عورت سے کی جس سے اس کی تین بیٹیاں پیدا ہوئیں مگر عذرا سے بھی
کوئی بیٹا پیدا نہ ہوا۔ نفاست شاہ کی اتنی زمین نام، مقام، مرتبہ اور گدی تھی تو اسے ایک
وارث چاہیئے تھا جو اس کے بعد ساری جائیداد زمین اور گدی سنبھالے چنانچہ اس نے
تیسری شادی ایک سید گھرانے کی عورت پروین سے کی تو اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس
کا نام اس نے شفاعت شاہ رکھا۔ شفاعت شاہ کی پیدائش سے نفاست شاہ بہت خوش
ہوا اور شفاعت شاہ کی پرورش بڑے ناز و نعم میں ہونے لگی۔ اب نفاست شاہ کا سارا

رجحان پروین کی طرف ہو گیا اس نے اسے بڑی حویلی میں رکھ لیا پہلی دونوں بیویوں سے وہ غافل ہو گیا بس انہیں مہینے کا خرچہ دے دیا کرتا تھا۔کلثوم کی عمر صرف سولہ سال تھی وہ انتہاء کی خوبصورت جوان اور اچھی صحت والی تھی اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا وہ میٹرک میں پڑھ رہی تھی چونکہ کریم بخش بہت سلجھا ہوا ایک تمیز دار شریف لڑکا تھا وہ نفاست شاہ کا بہت تابعدار اور جی حضوری کرتا تھا تو نفاست شاہ نے کریم بخش کی ڈیوٹی اپنی بیٹی کلثوم کو اسکول سے آنے جانے میں لگا دی۔ اس نے کریم بخش کو ایک گاڑی لے دی اور اسے مستقل کلثوم کا ڈرائیور بنا دیا۔جن مضامین کے ساتھ کریم بخش نے میٹرک کیا تھا تو وہی مضامین کلثوم کے تھے۔کریم بخش پڑھائی میں کلثوم کی بہت مدد کرتا تھا چونکہ وہ بہت لائق اور خوبصورت لڑکا تھا اور بات بھی بڑی تمیز اور احترام سے کرتا تھا جبکہ نفاست شاہ بڑے اکھڑ اور کھدرے لہجے میں کلثوم اور اس کی ماں سے بات کرتا تھا۔ نام تو اس کا نفاست شاہ تھا مگر نفاست اس کے قریب سے بھی نہیں گزری تھی حقیقت میں وہ بہت غلیظ اور گھٹیا فطرت کا انسان تھا۔ وہ ہر تین مہینے کے بعد ریچھ اور کتوں کی لڑائی کرواتا، کتوں کی ریس لگواتا مرغوں کی لڑائی کا وہ بہت شوقین تھا، خواجہ سراؤں کے پاس اس کا آنا جانا تھا اور کبھی کبھی وہ بازار حسن بھی جایا کرتا تھا یہ سب مشاغل اس کی زندگی میں شامل تھے اپنے کمی کاریوں اور نوکروں کو بہت گالیاں بھی دیتا تھا اس میں پیسے کی بہت ہوس تھی۔کلثوم اور اس کی ماں زہرا شاہ کریم بخش سے بہت خوش تھیں، دھیرے دھیرے کلثوم کو کریم بخش بہت اچھا لگنے لگا تھا اور وہ دل ہی دل میں اُسے چاہنے لگی کریم بخش بھی جوان تھا اسے بھی کلثوم بہت اچھی لگتی تھی اور وہ بھی اس سے پیار کرتا تھا مگر اس نے کبھی اپنے پیار کا اظہار نہیں کیا تھا کیونکہ وہ اپنی حیثیت جانتا تھا وہ جانتا تھا کہ اگر نفاست شاہ کے کان میں ذرا بھی اس بات کی بھنک پڑ گئی تو وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے خونخوار کتوں کو کھلا دے گا۔نفاست شاہ سیّد ہے اور وہ غیر سیّد ہے ان کا ملاپ ناممکن ہے۔اب کریم بخش کلثوم سے کترانے لگا تھا وہ بہت کم

اس کے سامنے جاتا تھا۔کلثوم نے میٹرک کا سالانہ امتحان دے دیا تھا اب اسے رزلٹ کا انتظار تھا کیونکہ وہ آگے بھی پڑھنا چاہتی تھی۔

لائبہ کے پاپا نے کسی طرح گلفام سے اس کے رشتے کی بات کو ٹال دیا مگر گلفام کو یہ بات ہضم نہ ہوئی گلفام بہت کینہ پرور اور انکار سننے کا عادی نہ تھا اس کے پاس بہت دولت تھی اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور ساری دولت جائیداد کا اکیلا وارث تھا۔اس نے لائبہ سے اپنے رشتے سے انکار کی وجہ جاننے کی بہت کوشش کی مگر وہ اس حقیقت کو نہ جان سکا۔ لائبہ کے ممی پاپا نے یہ مشہور کر دیا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیرون ملک چلی گئی ہے جبکہ وہ لاہور میں ہی موجود تھی۔ایک دن اچانک گلفام نے شہر کے ایک بڑے سپر اسٹور پر اسے زرغم کے ہمراہ خریداری کرتے دیکھ لیا تو وہ دیکھ کر حیران رہ گیا نہ صرف حیران رہ گیا بلکہ اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ایک تو رشتے سے انکار کر دیا اور دوسرا جھوٹ بولا کہ وہ پاکستان سے باہر ہے۔اب انہی دو باتوں کو لے کر اس نے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اب وہ اس کا بدلہ سیٹھ کامران لاشاری سے لینا چاہتا تھا مگر کیسے کیونکہ انہوں نے رشتے کے لئے پہلے ہاں کی منگنی کی تاریخ مقرر کی مگر اچانک وجہ بتائے بغیر رشتے سے منع کر دیا۔اس نے اس بات کو اپنی بے عزتی سمجھا۔ اس نے کامران لاشاری کے گھر کی ایک ملازمہ کو پیسے دیئے اور اس کے ذمہ یہ کام لگایا کہ جب بھی لائبہ اس گھر میں آئے تو وہ فوراً اسے اطلاع کرے۔ملازمہ نے پیسے لے کر حامی بھر لی مگر لائبہ کو نہ آنا تھا اور نہ ہی وہ آئی گلفام کو افسوس ہو رہا تھا کہ جس روز اس نے لائبہ کو شاپنگ کرتے دیکھا تھا تو اس نے اس کا تعاقب کیوں نہ کیا اس نے اسے ساری صورتحال کا علم ہو جاتا مگر اس دن وہ بہت جلدی میں تھا ایک بہت ضروری کاروباری میٹنگ میں جانا تھا۔اب گلفام کسی طرح کا ظاہری اور جسمانی نقصان وہ سیٹھ کامران لاشاری کو نہیں پہنچا سکتا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ کہیں آتا جاتا تھا تو اب اس نے خفیہ طریقے سے کچھ ایسا کرنا تھا جس سے سیٹھ کامران کو

نا قابل تلافی نقصان پہنچے کافی سوچ بچار کے بعد اس نے سیٹھ کامران کے ایک منیجر جو سارے کاروباری معاملات کو دیکھتا تھا اس کا نام عنایت تھا اس سے دوستی لگائی۔ عنایت سیٹھ کامران لاشاری کا کرتا دھرتا تھا اور سیٹھ اس پر بہت زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ گلفام نے سب سے پہلے عنایت کی کمزوریوں کو جاننے کی کوشش کی تو گلفام کو معلوم ہوا کہ اس کے تین بڑے خواب ہیں۔ایک یہ کہ اس کا ذاتی بڑا سا گھر ہو دوسرا اس کا اپنا ذاتی کاروبار ہو اور اس کا تیسرا خواب نئے ماڈل کی گاڑی اس کی ملکیت ہو۔عنایت کرائے کے گھر میں رہتا تھا۔سیٹھ کی طرف سے اسے ایک گاڑی ملی ہوئی تھی۔مگر وہ آٹھ سال پرانی گاڑی تھی۔اب خواب دیکھنے پر کوئی پابندی نہ تھی وہ تو ہر انسان سوتی جاگتی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔عنایت کی بہت معقول تنخواہ تھی اس کا گزارہ بہت اچھے طریقے سے ہو رہا تھا اس کے بچے مہنگے اسکولوں میں پڑھ رہے تھے مگر گھر اس کا اپنا نہیں تھا اور دوسری بات اس کی ملازمت پرائیویٹ تھی جس کی کوئی گارنٹی نہیں تھی اس کی بھی تمنا تھی کہ کم از کم اس کا کوئی کاروبار ہو اگر اس کی نوکری نہ رہے تو وہ عزت سے جی تو سکے اس کو اکثر یہ سوچ آتی رہتی، اسی اثناء میں اس کی ملاقات گلفام سے ہوگئی۔
گلفام نے عنایت پر بہت نوازشات کیں، سب سے پہلے اس نے عنایت کو ایک دس مرلے کا پلاٹ جو ایک نئی کالونی میں پڑا ہوا تھا اس کا تحفہ اسے دیا۔عنایت حیران رہ گیا کہ وہ اس کا ملازم ہے نہ ہی رشتہ داری، گلفام ایک کروڑ پتی انسان، کہاں وہ ایک عام سا انسان، مگر گلفام نے اسے احساس دلایا کہ دوستی تو دوستی ہوتی ہے یہ کوئی اونچا عہدہ، ذات پات اور حسب نسب نہیں دیکھتی، آپ میرے بہت اچھے دوست ہو اور ہمیشہ رہو گے۔اس کے علاوہ بھی آپ کو میری کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں، مجھ سے بلا جھجک کہیے گا ہاں مگر ہماری اس دوستی کا سیٹھ کامران لاشاری کو پتہ نہ چلے۔آپ ایسا کریں مکان بنانے کے لئے بینک سے قرضہ اپلائی کر دیں باقی میں بھی آپ کی مدد کرتا رہوں گا۔گلفام کی باتیں سن کر اور دس مرلہ کا پلاٹ لے کر بہت خوش ہوا۔کچھ

دنوں کے بعد عنایت نے گھر کی تعمیر کے لئے بینک سے تیس لاکھ روپے کا قرضہ اپلائی کر دیا۔بینک والوں نے اسے ایک فارم دیا جس پر اس کی ماہانہ تنخواہ اور جس ادارے میں وہ کام کرتا ہے اس کا نام اور ادارے کے مالک کی طرف سے ایک گارنٹی جس کے مطابق اگر عنایت قرضہ واپس نہیں کرے گا تو وہ ادارہ قرض کی رقم بمعہ سود بینک کو واپس کر دے گا۔جب اس فارم پر دستخط کروانے کے لئے وہ سیٹھ کامران کے پاس گیا تو سیٹھ نے اسے شک بھری نظروں سے دیکھا اور پوچھا کہ یہ پلاٹ اس نے کب اور کتنے کا لیا ہے؟ تو عنایت نے اسے بتایا کہ جمع پونجی اور کمیٹی کی رقم سے اس نے یہ پلاٹ لیا ہے۔سیٹھ نے فارم پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ رقم کی واپسی کی گارنٹی نہیں دے سکتا۔عنایت اپنا سا منہ لے کر اس کے کمرے سے نکل آیا۔سیٹھ کامران نے نہ صرف دستخط کرنے سے انکار کیا بلکہ اپنے اکاؤنٹنٹ سے سارے کھاتے چیک کرنے کا بولا کہ کہیں عنایت نے کوئی گڑبڑ نہ کی ہو جس سے اس نے یہ پلاٹ خریدا ہے عنایت کو یہ سن کر بہت دکھ اور افسوس ہوا کہ سیٹھ نے اس کی وفاداری پر شک کیا ہے وہ بہت غمگین بیٹھا کہ اسی دوران گلفام کا فون آ گیا، عنایت نے اسے ساری بات بتا دی تو گلفام نے اسے تسلی دی اور کہا کہ گھبرانے اور پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں ہے آپ وہ فارم لے کر میرے پاس آ جائیں میں اپنی فرم کی طرف سے دستخط کر دیتا ہوں، چنانچہ اگلے روز اس نے دستخط کر دیئے اور بینک منیجر کو فون بھی کر دیا تو ایک ہفتے کے اندر عنایت کا قرضہ منظور ہو گیا، اب اتنا بڑا احسان گلفام نے عنایت پر کیا تھا اور یہی موقع تھا گلفام نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگا دی اس نے باتوں باتوں میں عنایت سے سیٹھ کامران کے تمام کاروباری اسرار و رموز جان لئے۔کامران انٹر پرائزز کا مین کام امپورٹ ایکسپورٹ تھا وہ سستے داموں چاول، کپاس، کینو، مالٹے اور دیگر اجناس منڈی سے خریدتے پھر ان کی پیکنگ کر کے دوسرے ممالک میں ایکسپورٹ کر دیتے، اس کے علاوہ ان کی مختلف فیکٹریاں تھیں جن میں وہ ریڈی میڈ جیکٹس، جینز وغیرہ تیار کرتے،

انہیں اندرون ملک اور بیرون ملک فروخت کیا جاتا جن سے انہیں سالانہ کروڑوں روپے کا منافع حاصل ہوتا تھا۔گلفام نے عنایت سے ایکسپورٹ کی گئی مصنوعات کی قیمتیں حاصل کرلیں اور ان فرمز کے نام اور ایڈریس بھی حاصل کر لئے اب اس نے کامران انٹر پرائزز کے تمام کاروباری راز جان لئے تھے۔اب اس نے سیٹھ کامران کو نقصان پہنچانے کا مصمم ارادہ کرلیا حالانکہ اس کا یہ بزنس نہیں تھا مگر چونکہ وہ بہت کینہ پرور اور دل میں بغض رکھنے والا انسان تھا۔اب اس نے بیرون ملک ان پارٹیوں سے رابطہ کریں اور بہت کم قیمت میں اپنی فرم کی طرف سے کوٹیشنز تیار کیں اور خریدار فرمز کو بھیج دیں اب انہیں اتنی کم قیمت پر یہ اشیاء مل رہی تھیں تو انہوں نے گلفام سے متعلقہ اشیاء کے سیمپل مانگے۔گلفام نے ایک ہفتہ لگا کر سیمپل اکٹھے کئے اور ان فرمز کو بھیج دیئے جوانہوں نے قبول کر لئے انہوں نے تمام اشیاء کی خریداری کا آرڈر گلفام انٹر پرائزز کو دے دیا۔اب گلفام نے پورے دو ماہ مختلف علاقوں کا وزٹ کیا اور ہر چیز اعلیٰ کوالٹی کی حاصل کی سب کو نقد ادائیگی کی۔اپنی فرم کے نام کی پیکنگ تیار کروائی اور تمام اشیاء بیرون مملک میں ایکسپورٹ کر دیں ان کو وہ اشیاء بہت پسند آئیں اور منافع بھی بہت زیادہ ہوا جبکہ گلفام کو کوئی خاص منافع تو حاصل نہ ہوا بس اس کے اخراجات ہی پورے ہوئے مگر وہ بہت خوش تھا کیونکہ اس نے کامران انٹر پرائزز کو بھاری ضرب لگائی تھی چونکہ اس سال کامران انٹر پرائزز کو کوئی آرڈر موصول نہ ہوا تو ان کا ٹرن اوور بہت کم ہوا۔سیٹھ کامران کے کان کھڑے ہوئے تو اس نے ان فرمز سے رابطہ کیا تو اسے پتہ چلا کہ اس سال انہیں گلفام انٹر پرائزز سے تمام اشیاء مناسب اور کم قیمت پر مل گئی ہیں اب وہ اپنا نیا کنٹریکٹ بھی گلفام انٹر پرائزز کو ہی دیں گے اب سیٹھ کامران کو پتہ چلا کہ خریدار اور سیلر میں کوئی دوستی نہیں ہوتی صرف کاروباری اخلاق ہوتا ہے۔خریدار کو جہاں سے سستا میٹریل اور اشیاء ملیں وہ وہیں سے خریدتا ہے کوئی تعلق داری نہیں دیکھتا۔یہ دنیا ہے ہر کسی کو اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔سیٹھ کامران کی آنکھیں کھل گئی تھیں

اور وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ ایسا ہوا کیوں......؟اس کے پرانے کلائنٹس نے کیوں ان کی فرم کو چھوڑ آ۔اب اسے عنایت پر شک ہونے لگا کہ ہو نہ ہو وہ گلفام سے ملا ہوا ہے۔اچانک اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ عنایت نے اس سے اپنے قرضے کی درخواست فارم پر اس کے دستخط کروانا چاہے تھے جو اس نے نہیں کئے تھے، اس کا قرضہ منظور ہوا یا نہیں تو اس کی تصدیق کے لئے سیٹھ کامران اس بینک میں گیا اور جا کر برانچ منیجر سے ملا اور باتوں باتوں میں عنایت کے قرضے کا پوچھا تو بینک منیجر نے بتایا کہ اس کا قرضہ منظور ہو گیا ہے تیس لاکھ روپیہ اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو چکا ہے اور یہ سب سیٹھ گلفام کی گارنٹی کی وجہ سے ہوا ہے۔تو سیٹھ کامران بولا منیجر صاحب عنایت تو میرا ملازم ہے جبکہ اس کے گارنٹی فارم پر سیٹھ گلفام کے دستخط ہیں اگر میں عنایت کو ملازمت سے نکال دوں تو وہ آپ کو کیسے قرضہ واپس کرے گا؟ عنایت بہت دھوکے باز، مکار اور چالاک انسان ہے۔وہ میرے پاس دستخط کروانے آیا تھا مگر میں نے اس کی مکاری کو دیکھتے ہوئے دستخط کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے سیٹھ گلفام سے دستخط کروا کر اپنا قرضہ منظور کروالیا۔یہ بہت غلط بات ہے تو اس بات کی آپ کے خلاف بھی شکایت ہوسکتی ہے۔اب منیجر کو اپنی فکر لاحق ہوگئی تو اس نے اپنے اعلیٰ حکام کو ساری بات بتا کر انہیں اعتماد میں لے کر عنایت کے اکاؤنٹ کو منجمد کر دیا۔اب عنایت اس میں سے ایک روپیہ بھی نہیں نکال سکتا تھا۔اگلے دن سیٹھ کامران نے اپنے سیلز منیجر عنایت حسین کو ملازمت سے نکال دیا اور اسے بے عزت کر کے اپنے دفتر سے نکال دیا۔

قربان اور ماکھا دو خاص کارندے تھے پیر نفاست شاہ کے وہ دونوں ہر وقت جدید اسلحہ سے لیس اس کے ساتھ رہتے۔دوسرے لفظوں میں وہ پیر نفاست شاہ کے باڈی گارڈ تھے اگر چہ نفاست شاہ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا پورے علاقے میں اس کا بہت رعب وہ دبدبہ تھا اس وقت اسلحہ کسی کے پاس نہیں تھا۔لڑائیوں میں زیادہ تر ڈانگ سوٹا یا ہاکیاں چلتی تھیں اِکا دُکا لوگوں کے پاس سات کمانی چاقو ہوتے تھے جن

سے وہ لڑتے تھے اور اپنے مخالفوں کو گھائل کرتے تھے۔قربان اور ماکھے کی شکلیں خونخوار تھیں دونوں کی خشخشی داڑھیاں تھیں سر پر سندھی ٹوپیاں پہنتے موچھوں کو تاؤ دے کر رکھے اور اجرکیں اوڑھی ہوتیں، وہ دونوں بہت پھرتیلے چالاک اور ہوشیار تھے۔ پورے علاقے پر ان کی نظر تھی۔ وہ لحہ بہ لحہ کی خبریں نفاست شاہ کو پہنچاتے تھے یہ کہہ لیں کہ وہ دونوں نفاست شاہ کے راز دار تھے۔نفاست شاہ کے حکم پر ہر جائز و ناجائز کام وہ کرتے تھے۔دوسرے لفظوں میں وہ نفاست شاہ کے حکم کے غلام تھے۔بدلے میں نفاست شاہ انہیں گندم، چاول، گڑ، دودھ اور پیسے دیتا وہ نفاست شاہ کے وفادار تھے۔جو رشید نے زمین بیچنے سے انکار کیا تو اس کے تین ماہ بعد نفاست شاہ نے ان دونوں کو بلایا اور کہا کہ آج رشید کا کام تمام کر دو فائر نہیں کرنا اسے چاقو کے گھاؤ لگانے ہیں کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے۔نفاست شاہ نے کریم بخش کی ڈیوٹی لگائی کہ تم ان دونوں کو گاڑی میں بٹھا کر لے جاؤ گے۔رشید صبح سے شام تک اپنی زمین پر ہوتا وہ بنجر زمین کو قابل کاشت بنا رہا تھا اور کامیاب بھی رہا۔اکتوبر کا آخری ہفتہ تھا اگلے مہینے گندم کی کاشت شروع ہونے والی تھی اس نے تین ایکڑ زمین پر گندم کاشت کرنے کا پروگرام بنالیا تھا۔اس کے ساتھ آٹھ دس مزارعے تھے۔جو اس کی مدد کرتے اور کھیتوں میں کام کرتے تھے۔کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ سب مزارعے اپنے اپنے گھروں کو چل پڑے اب اکیلا رشید وہاں تھا۔دس منٹ کے بعد مغرب کی اذان ہونے والی تھی تو اس نے سوچا کہ نماز ادا کر کے ہی گھر جاؤں گا۔چنانچہ اس نے وضو کیا اور نماز کی تیاری کی اتنے میں گاؤں کی مسجد سے نماز مغرب کی اذان کی خوبصورت صدا بلند ہوئی۔رشید نے بڑے سکون سے بیٹھ کر اذان سنی اور اس کا جواب دیا اور پھر خشوع خضوع سے نماز ادا کی وہ ہر نماز کے بعد اپنے گناہوں کی معافی مانگتا تھا۔رشید کی زندگی بڑی پاکیزہ تھی اس نے شریعت کے مطابق داڑھی رکھی ہوئی تھی نماز روزے کا پابند تھا حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ وہ حقوق العباد بھی ادا کرتا تھا ہر کسی کے کام آنا،

غریبوں مسکینوں کی امداد کرنا اس کی فطرت میں شامل تھا۔فلاح و بہبود کے بہت کام کرتا تھا۔ ہمیشہ سچ بولتا تھا باالفاظ دیگر وہ بہت اچھا اور پرہیزگار انسان تھا اور کیوں نہ ہوتا اس کی تربیت عظمت صاحب نے کی تھی۔یہ ان کی اچھی تربیت کا ہی اثر تھا کہ رشید ایک بہترین انسان تھا۔كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الموت۔ ہر ذی نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ موت سے فرار ممکن نہیں اللہ رب العزت نے ہر شخص کو موت کا وقت، دن، تاریخ اور سال لوح محفوظ پر رقم کر دیا ہے کس نے کتنا جینا ہے اس کا علم صرف رب کی ذات کو ہے۔رشید کا وقت بھی پورا ہو چکا تھا وہ نماز ادا کر کے واپسی کے لئے گھر کی طرف چل پڑا۔اس کی زبان پر اللہ کا ورد تھا کہ اچانک دو بندے جنہوں نے اپنے چہرے کپڑے سے چھپائے ہوئے تھے وہ ایک طرف آ گئے۔ وہ اتنی تیزی اور پھرتی سے آئے کہ رشید کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔قربان نے اس کے پیچھے جا کر اس کے دونوں بازو پکڑ لئے ماکھے نے اپنی ڈب سے سات کمانی چاقو نکالا اور اس کے پیٹ پر مارا اور یکے بعد دیگرے متعدد وار کئے رشید زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ ماکھے نے آخری وار اس کی گردن پر کیا اور اس کی شہہ رگ کاٹ دی اور اگلے لمحے وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔کریم بخش بھی ان کے ساتھ تھا وہ یہ منظر دیکھ کر سکتے میں آ گیا دونوں نے اسے جھنجھوڑا تو وہ ہوش میں آ گیا وہ تینوں گاڑی میں بیٹھے اور وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔ ماکھے اور قربان نے جا کر نفاست شاہ کو رشید کا کام تمام کرنے کی خوشخبری سنا دی تو نفاست شاہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی۔اب اسے رقیہ کے چھ مربع زمین کا مالک بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا، روکنے والا تو اگلے جہان پہنچ چکا تھا۔اس رات کریم بخش کو ایک پل سکون نہ نصیب ہوا اور نہ ہی نیند آئی۔رشید کے مرنے کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا وہ رشید کے قتل کا چشم دید گواہ تھا۔اگلے دن نفاست شاہ نے اسے بلایا اور تنبیہ کی کہ خبردار اس بات کا تذکرہ کسی سے کیا وہ پہلے ہی اشتہاری ہے اب دوسرا قتل بھی اس کے کھاتے میں ڈال دیا جائے گا۔تو کریم بخش خوفزدہ ہو گیا اور اس نے اپنے

لب سی لئے۔۔۔۔

رشید کے گاؤں کا ایک آدمی شہر سے آ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر رشید کی لاش پر پڑی وہ ایک دم سناٹے میں آ گیا اس نے غور سے دیکھا تو وہ رشید تھا وہ شخص بھاگتا ہوا گاؤں گیا اور جا کر رشید کے قتل کا بتایا۔ آناً فاناً رشید کے قتل کی خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ رقیہ بیگم تک جب یہ خبر پہنچی تو وہ غش کھا کر گر گئی تھوڑی دیر تک سارا گاؤں رشید کے گھر جمع ہو گیا۔ سمجھدار لوگ متعلقہ پولیس اسٹیشن گئے تو پولیس جائے وقوعہ پر پہنچی۔ ایس۔ ایچ۔ او نے لاش قبضے میں لے لی۔ ایک کھوجی کو بلوایا کہ جائے واردات کا معائنہ کرے۔ سب سے پہلے جس بندے نے لاش کو دیکھا تھا اس کا بیان لیا۔ پھر کھوجی نے بتایا کہ قاتل کا کھرا اٹھانا بہت مشکل ہے کیونکہ بہت سارے لوگوں کے پیروں کے نشانوں میں قاتل کا کھرا گڈمڈ ہو گیا ہے بہر حال اس نے اپنی تلاش جاری رکھی تھوڑا سا دور جا کر اسے تین بندوں کے کھرے مل گئے جو چلتے چلتے آیا۔ ایک گاڑی کی طرف گئے اور گاڑی پکی سڑک پر چڑھ گئی اب وہ گاڑی کہاں گئی یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ تھانے دار نے رشید کے روزمرہ معمول کا پوچھا تو اسے یہی بتایا گیا کہ وہ صبح زمین پر آ جاتا تھا اور مزارعوں کے ساتھ مل کر زمین ہموار کرتا تھا اور مغرب کے بعد گھر جاتا تھا۔ تھانے دار نے لاش کی تلاشی لی تو اس کی جیب سے پیسے بھی برآمد ہوئے بائیں کلائی پر گھڑی بھی بندھی ہوئی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ راہ زنی اور لوٹ مار کی واردات نہیں تھی۔ قاتل کا مقصد صرف اور صرف رشید کو قتل کرنا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تھانے دار نے جائے وقوعہ کا بغور جائزہ لیا کہ اسے قاتل کی کوئی نشانی مل سکے مگر قاتل ہوشیار تھے اسے شہر کے بڑے ہسپتال بھجوا دیا اور جو مزارعے رشید کے ساتھ کام کرتے تھے ان سب کو بلوایا ان سب کا ایک ہی بیان تھا جس کے مطابق وہ سب مغرب سے پہلے وہاں سے چلے گئے تھے کیونکہ رسید کا یہ معمول تھا کہ وہ وہیں نماز مغرب ادا کرتا تھا اور نماز پڑھنے کے بعد ہی گھر جاتا تھا۔ یہ ایک اندھا قتل تھا کوئی چشم دید گواہ، کوئی

نشانی، قتل کرنے کی وجہ تھانے دار کو معلوم نہ ہو سکی۔ گاؤں کا ہر فرد رشید کی تعریفیں کر رہا تھا تو اتنے اچھے انسان کا کون دشمن ہو سکتا ہے اب اس بارے میں رقیہ بیگم کا بیان لینا تھا مگر اس بے چاری کی حالت بہت خراب تھی۔ رقیہ بیگم کو غشی کے دورے پڑ رہے تھے اگلے دن صبح رشید کی لاش پوسٹ مارٹم کے بعد واپس ملی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق رشید کے جسم پر چاقو کے چھ گھاؤ تھے اس کی موت شہ رگ کٹنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ تھانے دار کے سامنے رپورٹ پڑی تھی اور وہ گہری سوچ میں غلطاں تھا۔ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد رشید کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ رشید کی موت پر ہر آنکھ اشکبار تھی۔ تیسرے دن رقیہ کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو تھانے دار اس کا بیان لینے آ گیا۔ رقیہ بیگم نے دو ٹوک بات کی اور تھانیدار کو بتایا کہ رشید کا قتل نفاست شاہ نے کرایا ہے تو تھانیدار نے وجہ پوچھی تو رقیہ بیگم نے بتلایا کہ وہ دو بار ہماری زمین خریدنے کے لئے آیا تھا تو رشید نے زمین بیچنے سے انکار کر دیا تھا تو اس بات کا بدلہ اس نے رشید کو قتل کر کے لیا ہے۔ ہمارا مجرم نفاست شاہ ہے آپ نفاست شاہ کے خلاف رشید کے قتل کی ایف۔ آئی۔ آر درج کریں۔ تھانیدار وہاں سے اٹھا تو سیدھا نفاست شاہ کی حویلی پہنچا اور اسے ساری بات بتائی تو نفاست شاہ کہنے لگا۔ ہاں میں نے دو بار رشید سے زمین خریدنے کی بات کی تو اس نے منع کر دیا ٹھیک ہے۔ وہ زمین کا مالک تھا اس نے انکار کیا تو میں نے خاموشی اختیار کر لی مگر میں نے رشید کو قتل نہیں کروایا بھلا اتنی سی بات پر میں اسے کیوں قتل کرواؤں گا اور جس دن اس کا قتل ہوا اس روز میں شہر میں تھا۔ رات کو ہی واپس آیا ہوں باقی قتل کا کوئی چشم دید گواہ ہے......؟ تو تھانیدار نے کہا نہیں۔ تو نفاست شاہ بولا۔ میری رشید کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی تو بلاوجہ میں اسے کیوں قتل کراؤں گا۔ لگتا ہے رقیہ بیگم کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور وہ سٹھیا گئی ہے جو مجھ جیسے معزز پارلیمنٹیرین اور پیر پر جھوٹا الزام لگا رہی ہے۔ تھانیدار وہاں سے اٹھا تو سیدھا تھانے آ گیا۔ رقیہ بیگم کی طرف سے جو درخواست آئی تھی اسے میں نفاست شاہ کو ملوث کیا گیا تھا اور اسے

نامزدملزم قرار دیا گیا تھا مگر تھانیدار نے صرف نامعلوم ملزموں کے خلاف ۔ ایف آئی ۔ آر کا اندراج کیا رقیہ بیگم نے بہت دھکے کھائے پولیس کے اعلیٰ افسران ایس ۔ پی اور ڈی آئی جی تک کو ملی مگر اس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا جس کی وجہ سے کہیں بھی اس کی شنوائی نہ ہوئی دراصل پولیس والے بھی نفاست شاہ سے ملے ہوئے تھے ۔حکومتی مشینری ساری نفاست شاہ کے ساتھ تھی اور اسی کا ساتھ دے رہی تھی ۔ نفاست شاہ بھی مطمئن تھا اس کا تعلق اس کے کام آ رہا تھا ۔ وہ اپنے تھانے میں اپنی مرضی کا عملہ لگواتا تھا اور ہر اہلکار افسر کو در پردہ خوش رکھتا تھا ۔ اب ہر طرف سے مایوس ہو کر رقیہ بیگم نے صبر کر لیا اور سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ۔ ادھر پولیس نے فرضی کارروائی کر کے نامعلوم ملزمان کی تلاش جاری ہے اور تلاش بسیار کے باوجود ملزمان کا کوئی سراغ نہیں ملا تقریباً آٹھ دس ماہ کے بعد رشید کے قتل کی کیس فائل کو بند کر دیا اور کیس کو داخل دفتر کر دیا ۔ نفاست شاہ نے رقیہ بیگم کی ساری زمین پر قبضہ کر لیا اس کے خونخوار گماشتے رقیہ بیگم کی زمین پر رہتے اور انہوں نے بدمعاشی اور اسلحہ کے زور پر زمین پر کاشتکاری شروع کر دی ۔ اور خوب مال کمانا شروع کر دیا ۔ رقیہ بیگم اب بیوہ تھی کوئی بھی مرد اس کے گھر میں موجود نہیں تھا ۔ نفاست شاہ جیسے طاقتور اور بااثر بندے سے ٹکرانا یا اس کا مقابلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہ تھی ۔ لوگوں کو اس کے ساتھ ہمدردی تھی مگر نفاست شاہ سے لڑنے کی کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی ۔ کچھ عرصہ کے بعد سردار بی بی کا بھی انتقال ہو گیا اور وہ اکیلی بے یار و مددگار ہو گئی ۔ اب اس کے پاس عظمت صاحب کا مکان ہی بچا تھا جس میں وہ رہ رہی تھی اب رقیہ بیگم نے یہ کہا کہ اپنے گھر میں ایک مدرسہ کھول لیا جہاں وہ علاقے کی بچیوں کو قرآن پاک ناظرہ پڑھاتی ۔ اب رقیہ بیگم مائی رقیہ بی بی کے نام سے مشہور ہو گئی ۔ اس کا قرآن پاک کی درس و تدریس کا سلسلہ شروع رہا ۔ گاؤں کے لوگ اس کی طرح سے مدد کر دیتے جس سے رقیہ بی بی کی گزر بسر اچھی ہو رہی تھی وہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتی اور ہر نماز کے بعد رو رو کر اللہ کے حضور رشید

کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچنے کی دعا کرتی وہ بہت روتی تھی اسے تقسیم ہند سے پہلے کا وقت بھی یاد تھا جب تقسیم ہوئی تو وہ بہت خوش تھی کہ نئے دیس میں جائیں گے مگر نئے دیس پہنچنے سے پہلے ہی ہندوؤں اور سکھوں نے اس کے پورے خاندان کو مار دیا تھا وہ تو غیر تھے ان کا مذہب الگ تھا ۔ رسم و رواج الگ تھے مگر یہ کیا اپنے ہی دیس میں اپنے ہم مذہبوں نے اپنے ہی لوگوں نے چھ مربعے زمین کی خاطر اس کو بیوہ کر دیا تھا اس کی ساری خوشیاں لوٹ لی تھیں وہ اتنی زمین ہونے کے باوجود بے آسرا تھی ۔ کیا اسی لئے پاکستان بنا تھا اپنے ہی اپنوں پر ظلم کرنے لگ گئے تھے ۔ اپنوں کو ہی قتل کرنا شروع کر دیا تھا ۔ پولیس بھی مظلوموں کا ساتھ نہیں دیتی تھی ۔ وہ بھی طاقتور کے ساتھ تھی یہاں نہ عدل و انصاف ہے اور نہ ہی قانون کی حکمرانی ہے ۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہے ۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود وہ اللہ سے ناامید نہیں تھی ۔ مایوسی گناہ ہے اللہ سے ہر دم اچھی امید رکھنی چاہئے ، اس کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں ۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَتِ اللّٰہ (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) قران پاک کی یہی آیت مبارکہ اس کا حوصلہ بڑھاتی اسے اللہ کے گھر سے امید تھی کہ کوئی مسیحا آئے گا جو اس کی دادرسی کرے گا اور اس کے بے گناہ شوہر کے قاتل کو پکڑ کر سزا دلوائے گا اور اس کی زمین جو کہ اب نفاست شاہ کے قبضے میں تھی اس کا قبضہ چھڑوائے گا ۔

کلثوم کا میٹرک کا رزلٹ آ گیا تھا اس نے بڑے اچھے نمبروں سے امتحان پاس کیا تھا وہ اب مزید آگے پڑھنا چاہتی تھی ۔ کالج شہر میں تھا جو ان کے گاؤں سے دس کلو میٹر دور تھا ۔ دن نفاست شاہ آیا تو کلثوم نے ڈرتے ڈرتے اس سے آگے پڑھنے کی بات کی اسے اپنی میٹرک کی سند دکھائی تو نفاست شاہ سوچ میں پڑ گیا کیونکہ ان دنوں لڑکیوں کو زیادہ پڑھانے کا رواج نہیں تھا ، بہرحال اس نے کلثوم کے شوق کو دیکھتے ہوئے اسے آگے پڑھنے کی اجازت دے دی اور پوچھا داخلہ کب ہے......؟ تو کلثوم نے بتایا کہ کالج میں داخلے شروع ہیں بس تین یا چار دن رہ گئے ہیں پھر داخلے بند

ہو جائیں گے تو نفاست شاہ کہنے لگا ٹھیک ہے میں کل ہی کالج کے پراسپکٹس اور داخلہ فارم منگوالیتا ہوں تم فارم مکمل کر کے کریم بخش کے ساتھ جا کر شہر میں کالج میں جمع کروادو، یہ سن کر کلثوم بہت خوش ہوئی اس طرح اسے پڑھنے کا موقع بھی مل جائے گا اور کریم بخش کی قربت بھی مل جائے گی۔ جب کریم بخش کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ بہت پریشان ہوا وہ جتنا کلثوم سے دور ہونے کی کوشش کرتا اتنا ہی اسے اس کے قریب ہونے کا موقع مل جاتا۔ اب وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کلثوم کی ڈیوٹی کرنے پر مجبور تھا۔ اگلے دن وہ کلثوم کو گاڑی میں بٹھا کر کالج لے گیا جہاں اس نے اپنا داخلہ فارم جمع کروادیا۔ ایک ہفتہ بعد داخل ہونے والی طالبات کی لسٹ لگتی تھی۔ کلثوم کالج سے باہر آئی تو کریم بخش کو اپنا منتظر پایا۔ اس نے کریم بخش کو بولا کہ شہر کے ایک ریسٹورنٹ ملے چلے تو وہ اسے بازار کے ایک مشہور ہوٹل میں لے آیا تو کلثوم کہنے لگی کہ تم بھی میرے ساتھ آؤ تو وہ دونوں ایک الگ گوشے میں بیٹھ گئے۔ کلثوم نے کچھ کھانے پینے کی چیزوں کا آرڈر کیا تو ویٹر وہ لینے چلا گیا۔ کلثوم نے آج کریم بخش سے اس کے حالات پوچھے کہ وہ کس علاقے کا رہنے والا ہے اور نفاست شاہ تک وہ کیسے پہنچا ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے اپنے سارے حالات بتادیئے اور یہ بھی بتادیا کہ وہ مفرور اور اشتہاری ہے اس پر قتل کا الزام ہے جو کہ اس نے نہیں کیا تو پولیس سے بچنے کی خاطر وہ نفاست شاہ کے پاس آ گیا ہے۔ اور تب سے وہ یہیں پر ہے۔ کلثوم کہنے لگی کریم بخش تمہیں پڑھنے کا شوق ہے اور تم سیکنڈ ایئر میں پڑھ رہے تھے حالات ایسے ہوئے کہ تم سے کالج چھوٹ گیا، میرا مشورہ ہے کہ تم اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کردو اور آنے والے ایف۔ اے کے امتحان میں پرائیویٹ امیدوار کے طور پر اپیئر ہو جاؤ۔ اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو جب تم گریجویشن کرلو گے تو ابو تمہاری مدد کریں گے تمہارے خلاف جو ایف۔ آئی۔ آر درج ہے اس سے تمہاری گلوخلاصی کروائیں گے اور پھر تمہیں کوئی سرکاری نوکری دلادیں گے۔ تم ذہین اور لائق

ہو اپنے آپ کو ضائع نہ کرو یہی وقت ہے پڑھ لکھ لو ورنہ بعد میں پچھتاتے رہو گے۔ باقی تمہیں جن کتابوں کی ضرورت ہے وہ مجھے بتاؤ میں تمہیں لے کر دوں گی۔ بس تم محنت اور توجہ سے اپنی تعلیم مکمل کرو۔ تو کریم بخش بولا جی بہت بہتر میں ایسا ہی کروں گا۔ تو بس پھر ٹھیک ہے تم ابھی پہلے امتحان کی تیاری شروع کردو اور سات مہینے کے بعد ایف۔ اے کا جو امتحان آرہا ہے اس میں اپیئر ہو جاؤ۔ وہ دونوں ہوٹل سے اٹھے اور واپس آگئے۔ ایک ہفتے بعد کالج میں لسٹیں لگ گئیں تو اس میں کلثوم کا نام بھی تھا۔ کلثوم نے اپنے لئے اور کریم بخش کے لئے نئی کتابیں خرید لیں۔ نفاست شاہ بڑا گھاگ آدمی تھا۔ اس کے دل میں یہ وہم پیدا ہو گیا کہ کلثوم بھی جوان ہے اور کریم بخش بھی جوان ہے وہ کلثوم کو کالج چھوڑنے بھی جاتا ہے اور لینے بھی جاتا ہے تو کل کلاں کو کوئی بھی ایسی بات نہ ہو جائے جس سے اس کی عزت پر حرف آئے اور علاقے میں اس کی بدنامی اور بے عزتی نہ ہو جائے تو اس نے اپنے ایک وفادار پچاس سالہ ملازم انور کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ بھی روزانہ ان کے ساتھ آیا جایا کرے گا اور دونوں پر دھیان رکھے گا۔ نفاست شاہ کے اس فیصلے سے کریم بخش بہت خوش ہوا۔ کریم بخش اپنی ڈیوٹی کے ساتھ محنت اور دلجمعی کے ساتھ اپنی پڑھائی میں مصروف رہتا۔ کلثوم نے اسے بہت اچھا مشورہ دیا تھا اس کے حالات ہی ایسے ہو گئے تھے کہ مجبوراً اسے نفاست شاہ کے پاس آنا پڑا وقت ضائع کرنا مناسب نہیں تھا۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ یہاں سے نکلنے کا سوچ سکتا ہے۔ اس نے اللہ کا نام لے کر پرائیویٹ امیدوار کے طور پر اپنا ایف۔ اے کا داخلہ متعلقہ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن میں بھیج دیا جس کی فیس چپکے سے کلثوم نے اسے دے دی تھی۔ اسے کلثوم سے فیس کے پیسے لیتے ہوئے بڑی شرم آئی۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ ایک لڑکی اس کی مدد کر رہی تھی یہ اس کی مردانگی کو چیلنج تھا وہ پیسے نہیں لینا چاہتا تھا مگر حالات ایسے تھے کہ اسے فیس کے پیسے لینے پڑے آخر اس کے مستقبل کا سوال تھا۔ تو

اپنا مستقبل بنانے کے لئے اس نے اپنی مردانگی کا گلا گھونٹ دیا تھا۔کریم بخش کی ڈیوٹی صرف کلثوم کے ساتھ تھی اس کے بعد وہ فارغ ہوتا تھا تو اس نے اپنے فارغ وقت میں پڑھنا شروع کر دیا وہ رات کے گیارہ بارہ بجے تک اپنی پڑھائی میں مصروف رہتا اور پھر آخر کار اس کا رول نمبر اور ڈیٹ شیٹ آ گئی۔اتفاق سے اس کا امتحانی مرکز جو کالج بن تھا وہ کلثوم کالج کے قریب ہی تھا۔اس طرح وہ اسے کالج چھوڑ کر اپنا پیپرز دینے آ جاتا۔کوئی ایک مہینہ اس کا امتحان جاری رہا۔خدا خدا کر کے آج اس کا آخری پیپر تھا اس کے تمام پیپرز بہت اچھے ہوئے تھے اسے امید تھی کہ وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو جائے گا اور ہوا بھی ایسا ہی۔جب اس کا رزلٹ آیا تو اس نے ہائی سیکنڈ ڈویژن میں ایف۔اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔آج وہ بہت خوش تھا۔کلثوم نے اسے مبارکباد دی اور ساتھ میں ایک مردانہ سوٹ اور گھڑی کا تحفہ اسے دیا۔کلثوم نے اسے کہا اب اسی طرح سے بی۔اے کا امتحان بھی تم نے پاس کرنا ہے۔تمہارے پاس اب پورے دو سال ہیں تو ان دو سالوں میں تم خوب محنت کرو۔بی۔اے کی پڑھائی ذرا مشکل ہے تو اس کے لئے تمہیں کوئی پروفیسر تلاش کرنا پڑے گا جس سے تم اپنی پڑھائی میں مدد لے سکو......

انڈیا کی راجدھائی دہلی ہے جہاں مرکزی حکومت کے تمام دفاتر اور ہیڈ آفس ہیں۔''را''انڈیا کی انٹیلی جنس ایجنسی ہے بظاہر RAW (ریسرچ اینڈ انیلیسز ونگ) Reseach and Anaylisis Wing ایک ریسرچ کرنے والا ادارہ ہے مگر در پردہ وہ اندرون ملک اور بیرون ملک خفیہ سرگرمیوں کی کھوج لگاتا ہے۔ را (Raw) کے دفتر میں مختلف ممالک کے ڈیسک بنے ہوئے ہیں اور ہر ملک کو علیحدہ علیحدہ ڈائریکٹر کنٹرول کرتے ہیں۔اپنے جاسوسوں کو مختلف ممالک میں بھیجتے ہیں جہاں وہ جا کر خفیہ معلومات حاصل کرتے ہیں مگر اس کا جو سب سے زیادہ حساس ڈیسک ہے وہ پاکستان ہے Raw ایجنسی جب اپنے اہلکاروں کو بھرتی کرتی ہے تو ان رنگروٹوں کو عملی تربیت دیتے ہیں جس کا دورانیہ ڈیڑھ سے دو سال تک کا ہوتا ہے۔جس ملک میں

بھی اپنے جاسوسوں کو بھیجنا ہوتا ہے تو اس ملک کے مذہب رسم و رواج، زبان اور تمام شہروں کے نقشے دکھائے جاتے ہیں۔ ہر علاقے کی مقامی بولی انہیں سکھائی جاتی ہے پھر انہیں جوڈو کراٹے کے ساتھ ساتھ تخریبی کارروائیاں کرنے کی پریکٹس بھی کروائی جاتی ہے۔ جب ایک جاسوس ان تمام امور میں مہارت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اسے اس ملک میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں وہ اس ملک کی سیاسی اور عسکری سرگرمیوں کی تفصیل حاصل کر کے بھارت بھیجتے ہیں۔ بھارت نے پاکستان کو پہلے دن سے تسلیم ہی نہیں کیا۔ ہندو مسلمانوں کے ازلی دشمن ہیں وہ پاکستان کو توڑنا چاہتے ہیں اور دوبارہ ہندوستان کا حصہ بنانا چاہتے ہیں، اس ضمن میں وہ پاکستان سے تین جنگیں لڑ چکے ہیں۔ 1965ء میں بھارت نے اچانک پاکستان پر حملہ کر دیا مگر پاکستانی فوج کے شیر دل جوانوں کی بروقت کارروائی سے بھارت نے منہ کی کھائی مگر 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں انڈیا اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو گیا اور مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہو گیا۔ پاکستان کا ایک بازو کٹ گیا اور بنگلہ دیش بن گیا اس کے بعد بھی بھارت چین سے نہیں بیٹھا ہے اس کا منصوبہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانا، شیعہ سنی فسادات کرانا، پاکستان میں تخریبی کارروائیاں کرنا، دہشت گردی کی وارداتیں کرنا اور پاکستان کو توڑنے کی کوششیں کرنا تو اس کے لئے وہ اپنے انتہائی تجربہ کار اور تربیت یافتہ جاسوس پاکستان بھیجتے ہیں، مقامی میر جعفر اور میر صادق جیسے غدار ان کو چند کوڑیوں کے عوض مل جاتے ہیں جن کے تعاون سے وہ پاکستان کے مختلف شہروں میں بم بلاسٹ کرتے ہیں۔ اہم تنصیبات کو نشانہ بناتے ہیں جس کے لئے وہ سیاست دانوں کو بھی خرید لیتے ہیں۔ آج بھارت کے RAW ہیڈ آفس میں ایک اہم میٹنگ تھی جس کی صدارت اشوک ملہوترہ پاکستان ڈیسک کا انچارج اور ڈائریکٹر جنرل کر رہا تھا اشوک ملہوترہ ایک کٹر متعصب ہندو تھا وہ پاکستان اور مسلمانوں سے سخت نفرت کرتا تھا اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ آج کی میٹنگ کا ایجنڈا یہ تھا۔

1- پاکستان نیوکلیئر پاور بننے جا رہا تھا لہٰذا اسے ایٹمی قوت بننے سے روکنا۔

2- پاکستان کی اہم دفاعی تنصیبات کو اڑانا۔

3- پاکستان کے ایئر فورس جہازوں کو نقصان پہنچانا۔

4- پاکستان کے مختلف شہروں کے بارونق اور رش والے بازاروں میں بم بلاسٹ کرنا۔

5- پاکستان کے اہم سیاست دانوں کو خریدنا تا کہ وہ انڈیا کے جاسوسوں کی مکمل معاونت کریں اور پاکستان کو توڑا جا سکے۔

یہ پانچ نکاتی ایجنڈا تھا جس پر آج اشوک ملہوترہ بریفنگ دے رہے تھا۔ تقریباً تین گھنٹے یہ میٹنگ جاری رہی اس نے ہر پہلو پر سیر حاصل گفتگو کی۔ جب پاکستانی سیاست دانوں کو خریدنے کی بات ہوئی تو ان میں ایک نام سرفہرست تھا جو کہ نفاست علی شاہ کا تھا کیونکہ وہ دولت اور شہرت کا بہت بھوکا تھا۔ وہ دولت اور شہرت کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا لہٰذا اسے خریدنا ہے اور آئندہ الیکشن میں اسے ایم۔ این۔ اے کے لئے کھڑا ہونا ہے جس کے لئے فنڈز مہیا کئے جائیں گے تا کہ وہ ووٹ خرید سکے اور اسی کے ذریعے انڈیا کے جاسوس پاکستان کے اہم بازاروں میں بم بلاسٹ کریں جن کا سہولت کار نفاست شاہ ہو۔ اب ان پانچوں ایجنڈوں پر عملدرآمد کے لئے ''را'' کے تین انتہائی تربیت یافتہ چالاک اور مکار جاسوسوں کا انتخاب ہوا۔ جن میں ایک روی کمار، دوسرا روپ گپتا اور تیسرا ارون ورما تھا ان تینوں کی عمریں ستائیس اور اٹھائیس سال تھیں۔ تینوں انتہائی چاق و چوبند اور ہوشیار تھے۔ ان کو انگریزی اور ہندی کے علاوہ اردو، پنجابی، سرائیکی اور پشتو زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا وہ جوڈو کراٹے کے ماہر اور انتہائی خطرناک جاسوس تھے۔ اب نفاست شاہ کو کیسے خریدنا ہے تو اس کے لئے آئندہ دس دنوں تک بھارتی فلم انڈسٹری کے کچھ اداکار اور ادائیں پاکستان کے مختلف شہروں میں کلچرل شوز کرنے جا رہے ہیں تو ان میں سے کسی اداکارہ کو نفاست شاہ سے

ملوانا ہے اور اسے خریدنے کا لائحہ عمل ان تینوں جاسوسوں کی صوابدید پر منحصر ہے وہ وہاں کے حالات اور واقعات کے مطابق کوئی کہانی بنا کر اسے خرید لیں اور یہ کام اتنے خفیہ طریقے سے ہونا چاہئے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ حتیٰ کہ نفاست شاہ کو بھی پتہ نہ چلے کہ وہ بِک چکا ہے۔ دھماکہ خیز مواد بھی تم لوگ نفاست شاہ کی معرفت لو گے۔ انڈین ایکٹروں اور ایکٹریسوں کے جانے سے پہلے تم تینوں پاکستان میں موجود ہو گے۔ فلمی ستاروں کا وفد قانونی طریقے سے جائے گا مگر تم لوگ غیر قانونی طریقہ سے جاؤ گے تم لوگوں کو خفیہ کوڈ اور پاکستان میں سیف ہاؤس کا بتا دیا جائے گا اور پرسوں تم تینوں کو سرحد عبور کروا کر کراچی کے قریب ساحل سمندر پر اتارا جائے گا وہاں سے تم لوگ اپنے طور پر پہلے لاہور جاؤ گے اور اس کے بعد نفاست شاہ کے علاقے میں جا کر اس سے ملو گے۔ جو معلومات تم حاصل کرو گے وہ اور اپنی کارگزاری کی رپورٹ تم سیف ہاؤس میں صرف میجر ہری داس کو دو گے جو وہاں ایک سرکاری کالج میں بطور چپڑاسی کام کر رہا ہے۔ باقی تمہیں جس چیز کی بھی ضرورت ہوگی وہ ہری داس مہیا کر دیا کرے گا۔ ہری داس انڈین آرمی کا میجر ہے اور پچھلے تین سال سے وہ پاکستان میں RAW کے لئے کام کر رہا ہے۔ وہاں وہی تمہارا انچارج ہوگا جو کام وہ بولے گا وہی تمہیں کرنا ہوگا۔ ہری داس کا مسلمانوں والا نام شفیع ہے اب تک ساری معلومات اس نے ہی ہمیں دی ہیں، لہٰذا اب تمہیں بھی وہاں بھیجا جا رہا ہے۔

زرغم اور لائبہ نے اپنی نئی زندگی کی شروعات کر دیں، زرغم صبح آٹھ بجے وردی پہن کر اپنے آفس چلا جاتا تو لائبہ گھر میں اکیلی ہوتی۔ زرغم کے جانے کے بعد وہ ناشتے کے برتن سمیٹتی، گھر کی صفائی ستھرائی کرتی پھر برقع پہن کر قریبی مارکیٹ جاتی جہاں سے وہ دوپہر اور رات کے کھانے کے لئے گوشت سبزیاں لے کر آتی پھر دوپہر کا کھانا بناتی، تقریباً دن کے دو بجے کھانا کھانے کے لئے زرغم گھر آ جاتا اور کھانا کھا کر اپنے آفس لوٹ جاتا۔ اسی روٹین میں تین مہینے گزر گئے تو لائبہ اس روٹین سے اکتا گئی

تو ایک دن اسے خیال آیا کہ کیوں نہ وہ بھی جاب کر لے اس طرح اس کا اچھا وقت بھی گزر جایا کرے گا اور ان کی آمدنی میں اضافہ بھی ہو جائے گا۔ چنانچہ جیسے ہی رات کو زرغم گھر آیا تو لائبہ نے اس سے اپنی جاب کی بات کی جسے سن کر وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا تو لائبہ کے پوچھنے پر اس نے کہا لائبہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اب تم میری بیوی میری ذمہ داری ہو تمہارا ہر طرح سے خیال رکھنا اب میرا فرض ہے اور انشاء اللہ تمہارا ہمیشہ خیال رکھوں گا۔ تمہاری جاب کرنے کی خواہش کچھ عجیب سی نہیں ہے؟ تو لائبہ کہنے لگے دیکھو زرغم کچھ عیب نہیں ہے۔ اب تو عورتیں اپنے مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں۔ میں نے ایم۔ اے انگلش کیا ہے اور وہ بھی ہائی فرسٹ ڈویژن میں۔ میرا ایم فل درمیان میں ہی رہ گیا ہے۔ اب زرغم آپ تو صبح صبح اپنے آفس چلے جاتے ہیں میں سارا دن گھر میں پڑی بور ہوتی رہتی ہوں تو میں نے سوچا ہے کہ اتنی تعلیم حاصل کرنے کا کیا فائدہ ہے تو میں چاہتی ہوں کہ اپنی اس تعلیم کا بھرپور فائدہ اٹھاؤں۔ یہ گھر اب ہم دونوں نے مل کر چلانا ہے میں آپ کا ساتھ دینا چاہتی ہوں تو پلیز میری ریکویسٹ ہے کہ مجھے منع نہیں کرنا اور یہ اس نے اتنے پیار اور میٹھے لہجے سے کہا تو زرغم مسکرانے لگا اور کہنے لگا میری سوہنی من موہنی پیاری بیوی اتنے پیار سے اگر تم میری جان بھی مانگو تو میں ہتھیلی پر رکھ کر تمہیں پیش کر دوں۔ مجھے بس تم عزیز ہو اور مجھے تمہاری خوشی چاہئے، ٹھیک ہے تم جاب کر سکتی ہو مگر یہ تو بتاؤ کہ کون سی جاب کرو گی۔ تو لائبہ بولی میں نے سوچ لیا ہے اور مجھے پروفیسر بننا ہے۔ آپ کل ہی محکمہ ایجوکیشن میں جائیں گے اور وہاں جا کر پتہ کرنا ہے کہ انگلش سبجیکٹ کی لیکچرار کی کوئی ویکنسی خالی ہے اگر خالی ہے تو اپائنمنٹ کا کیا طریقہ ہے۔ یہ سب آپ کل ضرور پتہ کریں گے۔ او کے جی ملکہ عالیہ جو آپ کا حکم یہ غلام سر خم تسلیم کئے دیتا ہے۔ انشاء اللہ کل یہ ساری معلومات لے کر آؤں گا۔ تو لائبہ ہنس کر کہنے لگی زرغم آپ بھی بڑے وہ ہو۔ ارے ارے وہ کیا......؟ لائبہ ہنستی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی تو زرغم نے آواز لگائی جان من اب ذرا جلدی سے کھانا لے آؤ بڑے

زوروں کی بھوک لگی ہے تو لائبہ بولی جناب آپ منہ ہاتھ دھو لیں تب تک آپ کو کھانا ریڈی ملے گا۔ یہ سن کر زرغم واش روم میں چلا گیا جہاں اس نے یونیفارم اتارا۔ سول ڈریس پہنا اور منہ ہاتھ دھو کر کمرے میں آیا تو کھانا تیار تھا۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا اگلے دن زرغم ایجوکیشن ڈائریکٹر سے ملا اور اس نے خالی آسامیوں کی تعداد پوچھی تو ڈائریکٹر صاحب نے بتایا کہ انگلش سبجیکٹ کی لیکچرر کی کچھ آسامیاں خالی پڑی ہیں۔ تو اپ ایسا کریں کسی ایم۔ این۔ اے یا ایم۔ پی۔ اے کی سفارش کروا دیں تو بہت جلد آپ کی بیوی کو اپائنمنٹ لیٹر مل جائے گا۔ تو زرغم بولا سوری سر میں ایم این اے یا ایم پی اے بلکہ کسی کی بھی سفرش کے خلاف ہوں۔ مجھے اپنی بیوی کے لئے کوئی ایسی جاب نہیں چاہئے آپ بے شک میری بیوی کا ٹیسٹ لے لیں اگر وہ ٹیسٹ پاس کرتی ہے تو میرٹ پر آپ اسے جاب دیں ورنہ نہیں۔ تو ڈائریکٹر صاحب بولے جناب سفارش کی بات تو ویسے میں نے کر دی۔ بڑی اچھی بات ہے آپ سفارش کے خلاف ہیں یہاں پر ہر فیصلہ میرٹ پر ہونا چاہئے نہ کہ سفارش پر۔ ڈائریکٹر صاحب نے زرغم کو ایک فارم دیا کہ اسے مکمل کر کے ساتھ تین تصویریں، شناختی کارڈ اور تعلیمی اسناد کی فوٹو کاپیاں لگا کر جمع کروا دیں، پھر ہم امیدوار کو انٹرویو کے لئے بلائیں گے اگر وہ انٹرویو کوالیفائی کر جاتا ہے۔ تو اسے عارضی ایڈہاک کی بنیاد پر اپائنمنٹ کریں گے اور پھر ایک سال کے اندر اندر اسے پنجاب پبلک سروس کمیشن سے امتحان اور انٹرویو پاس کرنا ہو گا تب امیدوار کی ریگولر جاب ہو جائے گی۔ زرغم نے وہ فارم لیا اور اسے مکمل کر کے جمع کروا دیا کوئی پندرہ دن کے بعد لائبہ کو انٹرویو کی کال موصول ہوئی تو مقررہ تاریخ کو وہ بورڈ کے سامنے پیش ہو گئی۔ اس کا بہت اچھا انٹرویو ہوا اور بالآخر محکمہ نے اسے جوائننگ لیٹر دے دیا اور قریبی کالج میں اس کی پوسٹنگ کر دی۔ اب روزانہ صبح زرغم لائبہ کو کالج چھوڑ دیتا واپس وہ خود ہی رکشہ پر بیٹھ کر گھر آ جاتی۔ تقریباً ایک سال بعد پنجاب پبلک سروس کمیشن نے لیکچرار کی نئی بھرتی کا اشتہار اخبار میں دیا تو لائبہ نے بھی

اپلائی کر دیا اس نے تحریری امتحان اور انٹرویو کوالیفائی کر لیا تو اسے پبلک سروس کمیشن کی طرف سے ریگولر گریڈ سترہ کا تقرری کا لیٹر مل گیا۔ آج لائبہ بہت خوش تھی جب زرغم رات کو گھر آیا تو لائبہ خوشی سے اس کے ساتھ لپٹ گئی اور بولی زرغم آج آپ کو دو خوشخبریاں سنانی ہیں۔ تو زرغم بولا جلدی سے سناؤ تو لائبہ بولی پہلی خوشخبری یہ ہے کہ مجھے پنجاب پبلک سروس کمیشن کی طرف سے ریگولر لیکچرار کا لیٹر مل گیا ہے اور اس نے وہ لیٹر زرغم کے آگے کر دیا، زرغم نے وہ پڑھا اور بہت خوش ہوا اور بولا اب دوسری خوشخبری بھی سنا دو لائبہ نے اپنے دوپٹے کے پلو کو انگلی سے مروڑتے ہوئے اور شرماتے ہوئے بتایا زرغم دوسری خوشخبری یہ ہے کہ آپ باپ بننے والے ہیں۔ یہ سن کر زرغم بہت خوش ہوا اور خوشی سے لائبہ کو اٹھا لیا اور بولا سچ میری جان......؟ جی بالکل سچ تو زرغم کے منہ سے الحمدللہ کے الفاظ نکلے اور وہ اللہ کا شکر ادا کرنے لگا۔ قدرت ان پر مہربان ہو گئی تھی آج ایک ساتھ دو دو خوشخبریاں سننے کو ملیں۔ لائبہ نے اسے بتایا کہ آج لیڈی ڈاکٹر سے چیک اپ کروایا ہے۔ پچھلے ایک ہفتہ سے میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو کالج سے واپسی پر میں ہسپتال گئی تو لیڈی ڈاکٹر نے چیک اپ کیا اور ایک لیبارٹری ٹیسٹ کروایا اور مجھے یہ خوشخبری سنائی۔ مجھے اب دوسرا مہینہ ہے۔ یہ کچھ میڈیسن اس نے لکھ کر دی ہیں جنہیں باقاعدگی کے ساتھ استعمال کرنا ہے جب گھر آئی تو یہ اپائنمنٹ لیٹر ملا ہے، تو زرغم نے اسے مبارکباد دی اور بولا چلو آج اس خوشی میں رات کا کھانا ہم کسی اچھے سے ہوٹل سے کھائیں گے اور واپسی پر فارمیسی سے میڈیسن بھی لے لیں گے تم جلدی سے تیار ہو جاؤ میں بھی یونیفارم اتار لوں پھر بیس منٹ کے بعد وہ دونوں موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ایک بہت شاندار ہوٹل میں گئے جہاں آنہوں نے مہنگا ڈنر کیا واپسی پر دوائیں لیں اور گھر آ گئے۔

رشید کے قتل کے بعد علاقے کی فضا کافی مقدور ہو گئی تھی سب لوگ جانتے تھے کہ رشید کا قتل نفاست شاہ نے ہی کروایا ہے کیونکہ اس نے جس دھڑلے سے دن دیہاڑے اسلحہ اور بدمعاشوں کے زور سے قیہ بی بی کی زمین پر قبضہ کیا تھا یہ اس کا منہ

بولتا ثبوت تھا۔ اب لوگ آہستہ آہستہ اس سے متنفر ہو رہے تھے۔ اب جہاں بھی کوئی محفل جمتی بڑے بوڑھے اسی بات کا تذکرہ کرتے۔ نفاست شاہ بھی اس امر سے باخبر تھا اب وہ دن بدن اپنی کم ہوتی ہوئی مقبولیت سے بھی واقف تھا۔ اب اگلے الیکشن میں بھی اس نے حصہ لینا تھا جس کے لئے اسے ووٹوں کی ضرورت تھی۔ تو اب اس نے کوئی نئی حکمت عملی اپنانی تھی جس سے اس کے ووٹوں کی تعداد بڑھے اس کے لئے اس نے ایک پلان بنایا۔ اس نے علاقے کے لوگوں کی غمی خوشی میں شرکت کرنا شروع کر دی۔ دوسرا اس نے مختلف محکموں سے خالی آسامیوں کی تعداد کا پتہ کیا اور ان میں حلقے کے نوجوانوں کو بھرتی کروانا شروع کر دیا۔ تیسرا اس نے یتیم اور غریب بچیوں کی شادی کروانا شروع کر دی۔ چوتھا اس نے قومی اور مقامی اخبارات کے مالکان اور ایڈیٹروں کو خریدنا شروع کر دیا اور پانچواں کام یہ کیا کہ اپنے حلقے کے لئے سوئی گیس منظور کروالی اور جن علاقوں میں بجلی نہیں تھی اس نے وزیر اعلیٰ کے فنڈ سے ان علاقوں کے لئے بجلی منظور کروالی اور کام بھی شروع ہو گیا۔ اس کے ان اقدامات سے اس کی واہ واہ شروع ہو گئی۔ لوگ آہستہ آہستہ رشید کے قتل کو بھولنا شروع ہو گئے۔ اب جس خاندان کے ایک لڑکے کو سرکاری نوکری ملتی تو اس خاندان کے سارے لوگ نفاست شاہ کے گرویدہ ہو جاتے اسی طرح یتیم اور غریب بچیوں کی شادیاں کروانا بھی اس کے حق میں جا رہا تھا۔ جن علاقوں میں سوئی گیس اور بجلی لگ رہی تھی وہ لوگ بھی اب نفاست شاہ کے گن گاتے رہی سہی کسر اخبار والوں نے پوری کر دی اس کے زرخرید کالم نگار، صحافی اور ایڈیٹر نفاست شاہ کے حق میں لکھتے اور اس کے کارناموں کو بڑھ چڑھ کر بیان کرتے اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے۔ اب ہر جگہ نفاست شاہ کا ہی چرچا ہوتا۔ اس کا ووٹ بینک بہت بڑھ گیا اور مضبوط ہو گیا تھا ان سارے کاموں کے لئے اسے ایک سے ڈیڑھ سال کا عرصہ لگ گیا۔ نفاست شاہ کا ایک دور کا رشتہ دار لڑکا جس کا نام رفیق تھا اس کی عمر بیس سال اور تعلیم ایف۔ اے تھی۔

مجموعی طور پر رفیق کی شہرت کچھ اچھی نہیں تھی وہ کبوتر بازی اور پتنگ بازی کا بہت شوقین تھا۔ سارا دن انہی کاموں میں پڑا رہتا اور علاقے کی لڑکیوں سے بھی چھیڑ خانی کرتا رہتا۔ نفاست شاہ نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے ڈی۔ آئی۔ جی سے ملاقات کی اور اسے اپنا بھتیجا ظاہر کر کے اسے پولیس میں اے۔ ایس۔ آئی بھرتی کروالیا۔ رفیق نے سہالہ کی ٹریننگ مکمل کی تو نفاست شاہ نے اسے اپنے ہی تھانے میں لگوا دیا۔ رفیق کو پولیس میں بھرتی کروانے اور اپنے علاقے میں لگوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک تو پولیس کے متعلقہ کام رفیق کے ذمے لگا دیئے۔ اب رفیق نے دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیا وہ ہر کسی پر رعب جماتا اور گالی گلوچ بھی کرتا اوپر سے نفاست شاہ کا بندہ کے نام سے وہ مشہور تھا۔ اسے نفاست آشہ کی پوری حمایت حاصل تھی۔ یہ بات سارے پولیس افسران جانتے تھے اور خاموش رہتے تھے، رفیق کو کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔ رفیق کو پولیس میں بھرتی کروانے کا دوسرا مقصد نفاست شاہ کا یہ تھا کہ اس کے ذریعے اسے اندر کی خبریں ملتی تھیں دوسرے لفظوں میں وہ نفاست شاہ کا مخبر تھا۔ نفاست شاہ کے بندے اکثر لوگوں کے گھوڑے اور گائیں بھینس چوری کر لیتے تو وہ بندے اپنی چوری کی ایف۔ آئی۔ آر درج رکوانے پولیس اسٹیشن آتے تو آگے سے ان کا پالا رفیق سے پڑتا تو وہ ان لوگوں کو بہت ذلیل خوار کرتا۔ ان کو کئی کئی دن چکر لگواتا الٹا ان سے اپنا چائے پانی نکلواتا اور ان کی ایف۔ آئی۔ آر بھی درج نہ ہونے دیتا تو لوگ اس خجل خواری سے تنگ آ کر تھک ہار کر بیٹھ جاتے۔ اب لوگوں نے اپنے ڈنگروں کی حفاظت کے لئے خونخوار کتے اور چوکیدار رکھنے شروع کر دیئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چوری کی وارداتیں بہت کم ہو گئیں۔ نفاست شاہ کے بندے ان چوری شدہ جانوروں کو ٹرکوں میں ڈال کر راتوں رات بہت دور لے جاتے اور فروخت کر دیتے اس سے نفاست شاہ کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا مگر جب سے لوگ ہوشیار ہوئے اور انہوں نے اپنی مدد آپ کے تحت اپنے ڈنگروں اور املاک کی حفاظت

کے لئے پہرے لگانے شروع کیئے تو چوری کی وارداتیں ختم ہو گئیں۔ نفاست شاہ کے بندے جہاں بھی چوری کے لئے جاتے تو آگے سے حفاظتی اقدامات دیکھ کر خاموشی سے واپس پلٹ تے۔ یہ ساری صورتحال جب نفاست شاہ کو بتائی گئی تو اس نے کہا اب کوئی چوری نہیں کرے گا اگر خدانخواستہ کوئی بندہ پکڑا گیا تو بہت بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔ اس لئے اب آئندہ کوئی چوری کی واردات نہ کرے۔

رات کے تین بجے کا ٹائم تھا۔ اماوس کی رات تھی ہر طرف سناٹا اور ہو کا عالم گھپ اندھیری رات لوگ اپنے اپنے بستروں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ کراچی کا ساحل سمندر تھا۔ سمندر کی لہریں فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں کہ ایسے میں انڈیا کی طرف سے ہچکولے لیتی ایک کشتی آئی جس پر پانچ بندے سوار تھے، تھوڑی دیر کے بعد وہ کشتی ساحل کے پاس آ کر رک جاتی ہے اس میں سوار تین افراد سمندر میں چھلانگ لگا دیتے ہیں اور تیرتے ہوئے خشکی پر آ جاتے ہیں وہ کشتی میں سوار دو افراد کو ہاتھ سے سگنل دیتے ہیں تو جس سمت سے کشتی آتی ہے اسی سمت واپس روانہ ہو جاتی ہے۔ کشتی سے اترنے والے وہ تین سوار روی کمار، اروپ گپتا اور ارون ورما ہوتے ہیں جو ماہی گیروں کا روپ دھارے کراچی سے آٹھ کلومیٹر دور ایک ویرانے گوشے میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کا رخ کراچی کی طرف ہوتا ہے وہ خاموشی سے چلتے جا رہے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کوسٹ گارڈ کی نظروں میں نہ آئیں اور اپنی اس کوشش میں وہ کامیاب رہتے ہیں۔ یہ کوسٹ گارڈ والوں کی شدید غلطی تھی کہ رات کے اس آخری پہر انڈیا کے تین جاسوس چپکے سے نکل گئے۔ اب وہ تینوں سورج کے نکلنے تک چلتے رہتے ہیں۔ ساحل سمندر بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ اب انہیں آبادی کے آثار نظر آتے ہیں۔ جب سورج نکل آتا ہے تو وہ کراچی کلفٹن پہنچ جاتے ہیں ان کے پاس پاکستانی کرنسی ہوتی ہے جس سے وہ ناشتہ کرتے ہیں پھر بازار سے تینوں ریڈی میڈ کپڑے خریدتے ہیں اب ان کے حلیے پاکستانی شہریوں جیسے ہوتے ہیں اب وہ ایک

آٹو رکشے میں بیٹھ کر کینٹ ریلوے اسٹیشن پہنچتے ہیں یہاں سے انہیں معلوم ہوتا ہے کہ دن کے بارہ بجے ایک نان اسٹاپ ٹرین کراچی سے لاہور کی طرف جائے گی۔ اروپ گپتا ٹرین کے تین ٹکٹ لے آتا ہے۔ وہ پلیٹ فارم پر ایک سیمنٹ کے بڑے بنچ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے نام انڈیا میں ہی تبدیل کر لئے تھے اور مسلمانوں والے نام رکھ لئے تھے۔ روی کمار کا نام جمشید اختر، اروپ گپتا کا نام منظور الٰہی، اور ارون ورما کا نام اب غلام قادر تھا۔ انہیں سختی سے ہداتی کی گئی تھی اب وہ ایک وسرے کو نئے ناموں سے ہی پکاریں گے۔ ان کے پاس مختصر سا سامان تھا وہ چھوٹے چھوٹے بیگ جن میں تین چار کپڑوں کے جوڑے تھے۔ وہ پلیٹ فارم پر عام مسافروں کے روپ میں بیٹھے تھے اور آپس میں ہلکی پھلکی باتیں کر رہے تھے۔ پولیس والے ان کے پاس سے ایک دو بار گزرے مگر کسی کو ان پر شک نہ ہوا۔ قریباً پونے بارہ بجے ٹرین کے ڈبے پلیٹ فارم پر آ کر لگ گئے۔ تو وہ تینوں اپنی بوگی میں اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے ان کی سیٹیں اکٹھی تھیں۔ دن کے سوا بارہ بجے ٹرین کراچی سے روانہ ہوئی۔ وہ ایک تیز رفتار ٹرین تھی اور فراٹے بھرتی ہوئی لاہور کی طرف گامزن تھی۔ اگلے دن گیارہ بجے ٹرین لاہور پہنچ گئی۔ وہ اسٹیشن سے باہر آئے اور مغل پورہ جانے کے لئے رکشہ میں بیٹھ گئے۔ وہاں ان کا باس ہری داس جو کہ مسلمانوں والے نام شفیع کے ساتھ ایک ڈگری بوائز کالج میں چپڑاسی تھا وہ کالج کے اندر بنے ہوئے ایک چھوٹے سے کوارٹر میں رہتا تھا۔ دن کے ایک دو بجے کالج میں چھٹی ہو جاتی تھی اور کالج خالی ہو جاتا تھا اس طرح اسے آزادی حاصل تھی وہ رات کے اندھیرے میں RAW کے ہیڈ کوارٹر دہلی باتیں کرتا تھا اور ہر قسم کی انفارمیشن پہنچاتا تھا۔ اسے بتا دیا گیا تھا کہ آنے والے ایک دو روز میں انڈیا سے تین جاسوس ان کے پاس پہنچیں گے۔ اسے ان تینوں کا انتظار تھا۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے وہ تینوں کالج میں پہنچ گئے کلاسیں چل رہی تھیں وہ تینوں اسٹاف روم کی طرف گئے اور ایک پروفیسر سے شفیع کا پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ چائے لینے گیا ہے

بس ابھی آ جاتا ہے۔ وہ تینوں برآمدے میں پڑے ایک بنچ پر بیٹھ کر شفیع کا انتظار کرنے لگے۔ تقریباً پانچ منٹ کے بعد شفیع جس نے چائے کے کپ اور کیتلی پکڑی ہوتی ہے وہ اسٹاف روم میں چائے لے کر آتا ہے تو پروفیسر صاحب شفیع کو آواز دیتا ہے۔ شفیع جی صاحب وہ تمہارے تین مہمان آئے ہیں اور باہر بیٹھے ہیں۔ اچھا صاحب جی میں دیکھتا ہوں۔ شفیع نے پروفیسرز کو چائے دی اور باہر آ گیا جہاں وہ تینوں بیٹھے تھے۔ شفیع کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ تینوں کھڑے ہو گئے۔ جب وہ نزدیک آیا تو جمشید نے السلام علیکم کہا جواب میں شفیع نے وعلیکم السلام بولا اور اس نے اپنی بانہیں کھول دیں۔ اگلے لمحے جمشید اس کے گلے لگ گیا اور خفیہ کوڈ بولا۔ ''شفیع بھائی آج تو بہت گرمی ہے بڑی تیز دھوپ ہے۔ تو شفیع بولا ہاں گرمی تو بہت ہے مگر جلدی بارش بھی ہو جائے گی۔ جمشید اس کا جواب سن کر مطمئن ہو گیا پھر وہ باری باری ان سے ملا اور ان کو لے کر اپنے کوارٹر میں آ گیا اس نے پنکھا چلا دیا اور کہنے لگا آپ تینوں آرام کرو میں دو اڑھائی بجے آپ کے لئے دوپہر کا کھانا لے کر آؤں گا۔ دوپہر دو بجے کالج تقریباً خالی ہو گیا کوئی اِکا دکّا طالب علم اور ایک دو پروفیسر رہ گئے۔ شفیع نے تمام کلاس رومز کے دروازے بند کر کے تالے لگائے پھر باری باری سب کمروں کے دروازے بند کر دیئے کالج اب مکمل طور پر خالی تھا اس کا مین گیٹ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ سب کاموں سے فارغ ہو کر اب شفیع اپنے کوارٹر میں آ گیا۔ ان تینوں کو دوپہر کا کھانا کھلایا تو وہ کھانا کھا کر سو گئے اور رات آٹھ بجے تک وہ سوتے رہے۔ رات نو بجے شفیع نے RAW کے ہیڈ کوارٹر دہلی میں ان تینوں کے پہنچ جانے کی اطلاع بذریعہ وائرلیس دی اور ان کے متعلقہ نئی ہدایات لیں جس کے مطابق تین دن بعد انڈیا سے فلمی ستارے آئیں گے جو مختلف شہروں میں جا کر کلچرل شوز کریں گے۔ ان تینوں کی ملاقات ان سے کروائی جائے گی اور پھر یہ ستارے نفاست شاہ کے شہر میں جائیں گے۔ انڈیا سے انے والے فلمی ستاروں میں نیلم شرما چوبیس سالہ انتہائی خوبصورت، شوخ و چنچل اور انتہائی بولڈ کردار ادا کرنے والی

ایک اداکارہ تھی وہ انڈیا کی کئی فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھا چکی تھی وہ انڈیا کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی کافی مقبول تھی۔نیلم شرما کے ساتھ تین چاراور اداکار اور اداکارائیں بھی پاکستان آرہی تھیں۔کلچرل شوز کی آڑ میں دراصل انہوں نے پاکستان کی ہائی کمان سے ملنا تھا اور ان کی معرفت پاکستان کے حساس علاقوں تک اپنے جاسوسوں کی رسائی کوممکن بنانا تھا تا کہ انڈین جاسوس وہاں جا کر اپنا کام کرسکیں اس سلسلے میں ساری بریگین ان انڈین ایکٹرز کو دے دی گئی تھی۔وہ تینوں انڈین جاسوس تین دن شفیع کے پاس رہے۔وہ سارا دن لاہور کی گلیوں اور بازاروں میں گھومتے رہتے اور پچھلے ٹائم واپس کالج آجاتے۔تین دن کے بعدانڈین فلمی کاروان پاکستان پہنچ گیا۔انہوں نے تین چارکلچرل شوز کئے۔انڈین جاسوس روی کمار(جمشیداختر) کی تفصیلی ملاقات نیلم شرما سے کروائی گئی۔جمشیداختر نے اسے خاص ہدایات دیں اوراور کہا کہ سختی سے اس پرکاربندرہنا ہے۔جس کے لئے اسے الگ سے معاوضہ دیا جائے گا۔اب ان کی اگلی ملاقات پیرنفاست شاہ کے علاقے میں ہوگی میں تمہیں اس سے ملواؤں گا بس تم نے اب اپنے حسن اور دلفریب اداؤں سے اسے گھائل کرنا ہے۔اور اس طرح سے قابو کرنا ہے کہ وہ ہمارے جال سے نکل نہ سکے۔نیلم شرما بولی آپ فکر ہی نہ کریں اسے اپنی زلفوں کا ایسا اسیر بناؤں گی کہ وہ کبھی آزاد ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔اسے اپنا بے دام غلام بناؤں گی میرے ہراشارے پر وہ کتے کی طرح دم ہلائے گا بس ایک دفعہ اس سے مل لوں پھر نفاست شاہ کی خیر نہیں۔اس کے بعد وہ دونوں ہنسنے لگے۔

کریم بخش کوکلثوم نے۔بی اے کی تمام کتابیں خرید کر دے دیں اوراسے کہا کہ اب تم نے وقت ضائع نہیں کرنا بس خاموشی سے تم نے اب پڑھنا ہے کریم بخش انگلش کے سبجیکٹ میں کمزور تھا اسے انگلش کے پروفیسر کی تلاش تھی اگر پروفیسر مل بھی گیا تو وہ پڑھانے کے پیسے لے گا جبکہ اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہ تھی وہ اس پروفیسر کو

پیسے کہاں سے دے گا تو اس کے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا اور وہ یہ کہ اپنے طور پر وہ علاقے کے کسی زمیندار سے رابطہ کرے تا کہ اسے کام مل جائے،زمینداری تو ویسے بھی جانتا تھا وہ بھی گاؤں میں ہی پیدا ہوا تھا آخر ایک مہینہ کی تلاش کے بعد،اسے ایک مقامی زمیندار کے ہاں کام مل گیا اس کی یہ ڈیوٹی لگی کہ رات کے تین بجے اس نے اٹھ کرٹیوب ویل چلانا تھا اوراس کے فصلوں کو پانی دینا تھا صبح کے سات بجے ٹیوب ویل چلا کر زمین کو سیراب کرنا تھا پھر شام کواس زمیندار کی دوسری زمین پر ٹریکٹر کوہل لگا کر زمین ہموار کرتی تھی اب یہ دونوں کام مشکل تھے مگر کریم بخش نے اپنے اچھے مستقبل کے لئے اپنی نیند بھی قربان کرنی تھی اور جسمانی مشقت بھی۔اس نے تہیہ کر لی بلکہ قسم اٹھالی کہ اب ایک پیسہ بھی کلثوم سے نہیں لینا اب جو کچھ بھی کرنا ہے اپنے زور بازو پر کرنا ہے۔اب اگلا مرحلہ تھا کہ اسے کوئی انگلش کا پروفیسر مل جائے تو اس کی یہ تلاش بھی بآورثابت ہوئی اور ساتھ والے گاؤں میں اسے انگلش سبجیکٹ کے ایک پروفیسر صاحب مل گئے۔کریم بخش ان سے ملا اور پڑھنے کی بات کی تو وہ مان گئے اور اگلے دن سے اس نے ان کے پاس پڑھنے کے لئے جانا شروع کر دیا۔اب کریم بخش رات کے تین بجے اٹھتا اور صبح کے سات بجے تک ٹیوب ویل چلاتا۔اب اسے فجر کی نماز ادکرنے کا وقت بھی مل جاتا تو وہ وہیں فجر کی نماز ادا کرتا اور رو رو کر اللہ کے حضور اپنے اچھے مستقبل کی دعا کرتا وہ نفاست شاہ سے تنگ آچکا تھا اسے اس کے سارے کالے کرتوتوں کا علم ہو چکا تھا۔پھر ساڑھے سات بجے وہ کلثوم کو کالج لے کر جاتا اور ساڑھے بارہ بجے اس کی واپس ہوتی۔واپس آ کر وہ دو گھنٹے زمین پر ٹریکٹر چلاتا اس کے بعد وہ پروفیسر صاحب کے پاس پڑھنے چلا جاتا جہاں سے اس کی واپسی شام پانچ بجے ہوتی واپس آکر وہ اپنے دوسرے سبجیکٹس کی کتابیں پڑھتا اورعشاء کی نماز ادا کر کے فوراً سو جاتا اس کا پورا جسم تھکاوٹ سے چور ہو جاتا مگر وہ یہ سب برداشت کر رہا تھا کیونکہ اسے اپنے زور بازو پر اب کچھ کرنا تھا کسی کا احسان نہیں لینا چاہتا تھا اور

نفاست شاہ کے چنگل سے آزاد ہونا تھا مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا مگر کوشش فرض ہے وہ اب تک اشتہاری ہے مگر ابھی تک وہ پولیس کے ہتھے نہیں چڑھا اور وہ ابھی تک پولیس سے صرف اور صرف نفاست شاہ کی وجہ سے بچا ہوا ہے۔نفاست شاہ کے چنگل سے نکل کر وہ کدھر جائے گا کیا وہ پولیس سے بچ پائے گا......؟ اسے ہر وقت یہی سوچیں آتیں مگر یہ بھی تو کوئی زندگی نہیں ہے جو وہ گزار رہا ہے۔وہ ہر نماز کے بعد اللہ سے دعا کرتا۔ اللہ پاک تو دلوں کے حال بھی جانتا ہے وہ پاک ذات تو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔وہ تو اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے اس کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔وہ ظالم کی رسی کو ڈھیل ضرور دیتا ہے مگر وہ رسی کھینچتا ہے تو ظالم دھڑام سے زمین پر گر جاتا ہے۔کریم بخش کو اللہ کی رحمت پر پورا بھروسہ اور یقین تھا اور بھروسے کی بدولت وہ یہ ساری محنت مشقت کر رہا تھا اسے جب بھی وقت ملتا وہ کتابیں کھول کر بیٹھ جاتا، وہ اللہ کی رحمت سے پر امید تھا اپنا آرام اور سکون تج کر کے وہ اتنی محنت مشقت کرنے کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔

عنایت روتا پیٹتا گلفام کے پاس آیا اور اس سے ساری روئیداد سنائی گلفام نے اسے تسلی دی اور کہا پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔آپ تھوڑی دیر باہر بیٹھ کر انتظار کریں۔گلفام یہ سوچ رہا تھا کہ عنایت پر یہ ساری مصیبت اسی کی وجہ سے آئی ہے۔ عنایت تو سیٹھ کامران کا بااعتماد بندہ تھا۔اس نے سیٹھ کامران کے اعتماد کو اسی کے کہنے پر ٹھیس پہنچائی تھی۔اب سیٹھ کامران نے اسے نوکری سے نکال دیا تھا تو یہ ہونا ہی تھا۔ اب وہ عنایت کو اپنا دوست بھی کہتا ہے اور اسی کی وجہ سے سیٹھ کامران کے کاروبار کو زِک پہنچی تھی۔اب گلفام کے ہاتھ عنایت کی شکل میں ایک زبردست اور کارآمد مہرہ ہاتھ میں آ گیا تھا وہ اس مہرے سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔گلفام نے ایک اور گیم کھیلنے کا فیصلہ کیا اس بار وہ سیٹھ کامران پر کاری ضرب لگانا چاہتا تھا اور ضرب بھی ایسی کہ سیٹھ کامران کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔گلفام نے کچھ سوچ کر عنایت کو اپنے پاس

بلایا اور اس سے کہا کہ میں آپ کو ملازمت کی پیشکش کرتا ہوں۔آپ آج سے ہی گلفام انٹر پرائز ز کے ملازم ہیں۔یہ سن کر عنایت کو حوصلہ ہوا کیونکہ وہ اپنی ملازمت کے ختم ہو جانے پر بہت پریشان تھا۔اس کے بیوی بچے تھے کرائے کا گھر تھا دیگر اخراجات تھے تو ان سب کے لئے پیسوں کی ضرورت تھی۔تو گلفارم نے اس کا یہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔جتنی تنخواہ وہ سیٹھ کامران سے لیتا تھا اس سے پانچ ہزار روپے زیادہ تنخواہ اس کی مقرر ہوئی۔عنایت دل سے گلفام کا بہت ممنون ہو گیا۔کچھ دن بعد گلفارم اس کے ساتھ بینک گیا وہاں جا کر اس نے عنایت کو اپنا ملازم ہونے کا سٹیفکیٹ دیا اور بینک منیجر سے بات کی کیونکہ اسی برانچ میں گلفام انٹر پرائز ز کا لاکھوں روپے کا اکاؤنٹ تھا تو بینک منیجر نے عنایت کا اکاؤنٹ بحال کر دیا۔گلفام نے عنایت سے کہا کہ آپ پیسے نکلوائیں اور اپنے گھر کی تعمیر کا آغاز کر دیں۔چنانچہ اگلے ہی روز سے اس نے اپنے گھر کی بنیادیں بنوانی شروع کر دیں۔عنایت کو سیٹھ کامران پر بہت غصہ تھا اب اس کے اسی غصے کا فائدہ گلفام نے اٹھانا تھا۔گلفام نے عنایت سے پوچھا کہ یہ بتاؤ سیٹھ کامران کی موجودہ اسائنمنٹ کیا ہے؟ تو عنایت نے بتایا کہ لیدر کی جیکٹس اور جینز کی سپلائی اس نے عید کے بعد ملائیشیا بھیجنی ہیں۔اس مال کی قیمت پورے دو کروڑ روپے ہیں۔وہ پورا مال سیٹھ کامران نے تین کروڑ روپے میں سیل کیا ہے۔پورا ایک کروڑ روپیہ اس نے منافع لینا ہے۔اگر مقررہ وقت میں وہ یہ مال ملائیشیا نہیں بھیجتا تو اسے کل قیمت کا بیس فیصد ہرجانہ ملائیشیا کی فرم کو ادا کرنا ہو گا۔کافی کڑی شرائط کے بعد سیٹھ کامران کو یہ کنسائنمنٹ ملی تھی۔مال سارا تیار ہے اور گتے کے باکسز میں پیکل ہے اور وہ سرا مال سیٹھ کامران کے گودام میں پڑا ہے۔تین روز کے بعد عید تھی۔عید کے تیسرے دن وہ سارا مال ٹرکوں پر لوڈ کر کے ایئر پورٹ بھیجنا تھا جہاں سے وہ بذریعہ جہاز ملائیشیا جانا تھا۔گلفام نے عنایت سے اس گودام کا ایڈریس لے لیا۔اس گودام کا صرف ایک ہی چوکیدار تھا۔جو ساری رات ہاتھ میں بندوق لے کر پہرہ دیتا تھا۔اسی رات گلفام

نے اپنا ایک بندہ اس چوکیدار کے پاس بھیجا جو بہت غریب اور ضرورت مند تھا اس نے
چوکیدار سے علیک سلیک کی اپنی بے روزگاری اور غربت کا اسے بتایا اور رونے لگا۔ وہ
چوکیدار تھوڑا رحم دل تھا اس بندے کے ڈرامے سے اس کا دل پسیج گیا۔ اس بندے نے
چوکیدار سے اپنی ملازمت کی بات کی کہ اسے وہ کہیں چوکیدار یا چپڑاسی لگوا دے وہ
ساری زندگی اس کو دعائیں دے گا اور اپنی ہر طرح کی گارنٹی بھی دے گا تو چوکیدار نے
کہا اچھا ٹھیک ہے میں صبح سیٹھ سے بات کروں گا۔ اتنی دیر میں اس چوکیدار کی چائے
آ گئی تو اس نے بندے سے کہا لو ایک کپ چائے پی لو۔ تو اس بندے نے چوکیدار سے
کہا یار ایک گلاس پانی تو پلا دو، جیسے ہی چوکیدار پانی لینے گیا اس بندے نے اپنی پاکٹ
سے نیند کی گولیوں کا سفوف نکالا اور چوکیدار کے چائے کے کپ میں ڈال دیا۔ اس
بندے نے اور چوکیدار نے چائے پی تو وہ چوکیدار کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلا
گیا۔ دس منٹ کے بعد چوکیدار گہری نیند سو رہا تھا۔ تو گلفام کے کچھ بندے آئے اور
انہوں نے آ کر گودام کے الیکٹرک نظام میں کچھ ایسی خرابیاں کر دیں کہ جیسے ہی گودام
کی لائٹس آن ہوں تو اسی وقت شارٹ سرکٹ ہو جائے اور گودام میں آگ لگ
جائے۔ انہوں نے پورے چار گھنٹے لگا کر بڑی مہارت کے ساتھ یہ کیا کام اور چلے
گئے۔ صبح تک چوکیدار گہری نیند سوتا رہا۔ صبح بڑی مشکل سے وہ جاگا سورج نکل آیا تھا تو
وہ اپنی ڈیوٹی ختم کر کے اپنے گھر چلا گیا۔ دن کے دو بجے سیٹھ کامران کے بندے کچھ
چیزیں رکھنے کے لئے گودام میں آئے انہوں نے گودام کا میں دروازہ کھولا اور اندر
داخل ہوئے جیسے ہی انہوں نے لائٹس آن کرنے کے لئے سوئچ دبایا تو اگلے لمحے بجلی
کی وائرنگ میں چھوٹے چھوٹے پٹاخے بجنے شروع ہو گئے اور اگلے ہی لمحے شارٹ
سرکٹ ہو گیا اور گودام میں آگ بھڑک اٹھی اور آناً فاناً اس آگ نے پورے گودام کو
اپنے گھیرے میں لے لیا۔ فائر بریگیڈ کو اطلاع دی گئی مگر ان کے آنے تک سارا مال
جل کر خاکستر ہو گیا۔ پورے دو کروڑ روپے کا مال جل کر راکھ ہو گیا۔ یہ خبر سیٹھ کامران

پر بجلی بن کر گری وہ گم صم ہو گیا۔ اس کا دو کروڑ نہیں تین کروڑ سے زائد رقم کا نقصان
ہو گیا تھا۔ اب مال تو سارا جل گیا تھا اوپر سے اسے ہرجانہ بھی بھرنا تھا۔ اس کی تو کمر
ٹوٹ گئی تھی مزید یہ کہ اس فرم نے اسے مزید آرڈرز نہیں دینے تھے۔ اس کی ساکھ
مجروح ہو گئی تھی جو اس نے بنانے میں کئی سال لگائے تھے۔ ادھر گلفام بہت خوش تھا
اس کی خوشی دیدنی تھی وہ اپنی اس کامیابی پر نازاں تھا۔ ابھی اس نے سیٹھ کامران کو
سبق سکھانے کے لئے ایک جھٹکا اور دینا تھا اب اس نے فائنل گیم کھیلنی تھی جس سے
سیٹھ کامران ہمیشہ کے لئے قصہ پارینہ بن جائے اور وہ مکمل طور پر قلاش ہو جائے۔

جمشید اختر (روی کمار) اگلے دن نفاست شاہ کے علاقے میں پہنچ گیا۔ اس نے
کلین شیو کی۔ رے بین کی عینک لگائی اور پینٹ شرٹ پہنی اور نفاست شاہ کے ڈیرے
پر پہنچ گیا۔ نفاست شاہ اس کی پرسنالٹی سے بہت متاثر ہوا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس
سے ملا۔ جمشید نے اسے سلام کیا تو نفاست شاہ نے سلام کا جواب دیا۔ جمشید اختر نے
نفاست شاہ کے چہرہ پر گہری نظریں گاڑھ دیں۔ اس کے ڈیرے پر اس کے کافی
مریدین اور اپنے کاموں کے لئے آئے ہوئے لوگ بیٹھے تھے۔ وہ ان کے مسائل سن
رہا تھا۔ جمشید نے اپنا تعارف اس کے کان میں یہ کہہ کر کروایا کہ وہ انٹیلی جنس بیورو
(I-B) کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہے اور اسلام آباد سے اسے خاص طور پر ملنے کے لئے
آیا ہے۔ جب نفاست شاہ نے یہ سنا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ پریشان
ہو گیا کہ خیر ہو سہی اسلام آباد سے انٹیلی جنس بیورو کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر اسے بطور خاص
کیوں ملنے آیا ہے؟ دو چار منٹ کے بعد اس نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی
اور اگلے ہی لمحے وہ چاپلوسی اور خوشامدانہ انداز سے بولا جی سرجی سرکار کیسے آنا ہوا؟ تو
جمشید بڑے رعب سے بولا شاہ صاحب پہلے آپ اپنے مشاغل اور کاموں سے فارغ
ہو لیں پھر سکون سے آپ سے باتیں ہونگی۔ بہت بہتر سرکار نفاست شاہ بولا اور اپنے
ملازم کو بلا کر کھانے پینے کے لوازمات لانے کا آرڈر دیا۔ پانچ منٹ کے بعد جمشید کے

آگے کھانے کی اشیاء کا ڈھیر لگا تھا اور وہ ان سے پورا پورا انصاف کر رہا تھا۔ نفاست شاہ کو بے چینی سی لگ گئی اور وہ جلدی جلدی لوگوں کو نمٹانے لگا۔ چشم تصور میں اسے اپنے کالے کرتوت ایک ایک کر کے نظر آ رہے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ کسی نے اس کی شکایت انٹیلی جنس بیورو کو نہ کر دی ہو ہو سکتا ہے وہ اسی کی انکوائری کرنے آیا ہو۔ جمشید اختر کو اس کے سارے کرتوت بتا دیئے گئے تھے اور یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ وہ اپنے اچھے کاموں کی آڑ میں کیا کر رہا ہے۔ اس نے بہت سارے ٹھیکیداروں کو سڑکوں کی تعمیر کے ٹھیکے دلوائے تھے اور ان سے بھاری کمیشن وصول کی تھی تمام بندوں کی باتیں سننے کے بعد جب نفاست شاہ فارغ ہوا تو جمشید بولا شاہ جی آئیں کسی تنہائی کے گوشے میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ جب وہ دونوں ایک الگ کمرے میں جا کر بیٹھ گئے تو جمشید بولا شاہ جی سب سے پہلے آپ مجھ سے پکا وعدہ کریں کہ جو باتیں ہمارے درمیان ہوں گی وہ کسی تیسرے شخص کو پتہ نہیں چلیں گی۔ آپ کسی سے ان کا ذکر نہیں کریں گے اور خاص طور پر کسی حکومتی بندے اور پولیس سے۔ بتائیں منظور ہے؟ تو نفاست شاہ بولا میں قسم اٹھاتا ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ یہ سب باتیں ہمارے درمیان رہیں گی۔ گڈ ویری گڈ اچھا شاہ جی ایسا ہے کہ آپ کے خلاف انٹیلی جنس کو شکایت موصول ہوئی ہیں کہ آپ نے سڑکوں کے ٹھیکے کے سلسلہ میں ٹھیکیداروں سے بھاری رقم کمیشن کی صورت میں وصول کی ہے تو محکمہ نے مجھے اس ضمن میں انکوائری کے لئے بھیجا ہے۔ جمشید اختر نے ہوا میں جو تیر چھوڑا تھا وہ عین نشانے پر لگا۔ نفاست شاہ کا رنگ پیلا پڑ گیا اور زبان لڑکھڑا گئی تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ جمشید اختر رعب سے بولا۔ شاہ جی مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دیں میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں اگر آپ نہیں بتائیں گے تو تو میرے پاس معلوم کرنے کے سو طریقے ہیں جس کے بعد نتائج کے آپ خود ذمہ دار ہونگے۔ میری ایک رپورٹ سے آپ کی پنجاب اسمبلی سے رکنیت بھی ختم ہو جائے گی بھاری جرمانہ بھی ہوگا اور ایک لمبے عرصے تک آپ کو جیل میں بھی رہنا

ہوگا۔ جس کی وجہ سے آپ کی یہ شان و شوکت رعب و دبدبہ پیری مریدی بھی ختم ہو جائے گی۔ تو اب مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دیں۔ نفاست شاہ کا جتنا اوپر سے رعب دبدبہ تھا اندر وہ اتنا ہی بزدل اور ڈرپوک تھا۔ وہ ڈر گیا اور اس نے اعتراف کر لیا کہ ہاں اس نے فلاں فلاں ٹھیکیدار سے کمیشن وصول کی ہے۔ اچھا ٹھیک ہے یہ بہت بہتر ہے کہ آپ نے اعتراف کر لیا ہے ورنہ آپ کے ہی لوگوں کے ذریعے اوپر تک یہ بات پہنچی ہے۔ شاہ جی آپ ایک منتخب۔ ایم۔ پی۔ اے ہیں اور ساتھ پیری مریدی کا سلسلہ بھی ہے تو آپ محتاط رہا کریں کہتے ہیں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ اپنے تمام معاملات میں ہمیشہ راز داری رکھا کریں۔ تو نفاست شاہ بولا جی بہت بہتر جناب جمشید اختر صاحب انشاء اللہ میں آئندہ اور زیادہ احتیاط کیا کروں گا۔ بس اب آپ سے اتنی درخواست ہے کہ یہ جو الزام مجھ پر لگا ہے اس سے کسی طرح نکال دیں تو آپ جو خدمت کہیں گے وہ میں کر دوں گا۔ نہیں شاہ جی خدمت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس آپ مطمئن ہو جائیں آپ پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اس الزام سے آپ کو ایسے نکالوں گا جیسے مکھن سے بال نکلتا ہے۔ میں آج ہی آپ کے حق میں خفیہ رپورٹ لکھ کر بھیج دیتا ہوں۔ آپ بے فکر ہو جائیں یہ سن کر نفاست شاہ کی سانس میں سانس آئی اور اس نے جمشید اختر کے ہاتھ چوم لئے۔ ارے ارے شاہ جی یہ کیا کر رہے ہیں، پلیز ایسا نہ کریں۔ جب نفاست شاہ مکمل طور پر اس کا تابعدار ہو گیا تو جمشید اختر بولا شاہ جی ہماری سیاحت اور ثقافت کی منسٹری ملک کے کچھ حصوں میں کلچرل شوز منعقد کر رہی ہے لاہور اور کراچی میں تو ان کا انعقاد ہو چکا ہے اب تیسرا شو آپ کے علاقے میں ہوگا۔ اب بھارت سے ایک فلمی وفد اپنے خیر سگالی دورے پر آج کل یہاں پاکستان میں آیا ہوا ہے اس وفد کی سربراہ انڈیا کی مشہور فلم اسٹار نیلم شرما ہے۔ وہ پرسوں آپ کے علاقے میں ایک دن کے لئے آ رہے ہیں۔ وہ یہاں کلچرل شو کا انعقاد کریں گے تو آپ سے درخواست ہے کہ اس کلچرل شو کی رہنمائی فرمائیں میں چاہتا ہوں کہ آپ کے علاقہ میں

ہونے والا کلچرل شو سب سے بڑھ کر ہو اور کامیاب ہو، تو کیا آپ تعاون کریں گے؟ تو
نفاست شاہ بولا جمشید صاحب کیوں نہیں، وہ ہمارے معزز مہمان ہونگے ان کی عزت
افزائی اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے پورا وفد میری حویلی میں رہے گا
وہ چھی یادیں لے کر واپس جائیں گے۔ تو ٹھیک ہے۔ شاہ جی کل آپ اپنی یہاں کی
انتظامیہ سے اس کلچرل شو کی اجازت بھی لے لیں اور کل ہی جگہ کا انتخاب بھی کرلیں۔
انڈین وفد کل ہی یہاں پہنچ رہا ہے تو آپ ان کے قیام کا بندوبست فرمائیں۔ اس وفد
کے ساتھ میری بھی ڈیوٹی لگی ہے۔ جمشید صاحب آپ فکر نہ کریں سمجھیں سب
انتظامات ہوگئے ہیں۔ اگلے دن نفاست شاہ نے کلچرل شو کی اجازت بھی لے لی۔ وہ
کلچرل شو تحصیل کے ایک بوائز کالج میں منعقد ہونا تھا۔ اس کلچرل شو میں انڈیا میں تیار کی
گئی زنانہ مردانہ شالز اور ساڑھیوں کی نمائش رکھی گئی۔ آدھے گھنٹے کا ایک ڈرامہ بھی
ہوتا تھا جس کے لئے اسٹیج تیار کرلیا گیا۔ اس کے علاوہ مندوبین کی کچھ تقاریر بھی تھیں
اور آخر میں انڈیا کے مشہور مقامات مثلاً حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ،
اجمیر شریف، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دہلی کے مزارعات پر بنی ایک فلم
اس کے ساتھ تاج محل آگرہ، دہلی کی جامع مسجد کے متعلق ایک معلوماتی فیچر فلم دکھانا
تھی۔ اب ان سارے امور میں کوئی بھی ایسی نازیبا بات نہیں تھی جس پر انڈیا سے آئے
ہوئے وفد پر شک کیا جاتا۔ کچھ پاکستانی فنکاروں کو بھی تیار کرلیا گیا تھا۔ کہ وہ اس
کلچرل شو اور ڈرامے میں اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے۔ اگلے دن شام کو وہ کلچرل شو
منعقد ہونا تھا تو آج شام کو بھارتی وفد نفاست شاہ کی حویلی پہنچ گیا۔ نفاست شاہ نے
جب نیلم شرما کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ نیلم شرما حقیقت میں بہت خوبصورت تھی وہ
انتہائی لگاوٹ اور ادا سے نفاست شاہ سے ملی اس نے نفاست شاہ سے ہاتھ ملایا تو اس کا
گورا گورا مخملی نرم و نازک ہاتھ جیسے ہی اس کے ہاتھ میں آیا تو اسے ایک کرنٹ سا لگا
اس نے دونوں ہاتھوں سے نیلم شرما کا ہاتھ تھام لیا۔ نیلم شرما کی موٹی اور جھیل جیسی گہری

آنکھوں میں دعوت دیکھ کر نفاست شاہ اس پر فریفتہ ہوگیا۔ نیلم شرما کا جسم سڈول اور
پتلی بل کھاتی کمر تھی وہ مٹک مٹک کر چلتی تھی تو دیکھنے ولوں کے دل مچل جاتے۔ اس کے
کھلے بال اور کھلے گلے والی قمیض تو غضب ڈھا رہی تھی۔ اس نے ایک ادائے خاص
سے مسکرا کر نفاست شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جناب شاہ صاحب آپ کی
میز بانی کی بہت تعریف سنی یہ تو آج رات ہم آپ کے مہمان ہیں ہمارے ساتھ کیا
سلوک کریں گے؟ تو نفاست شاہ بولا یہ ہماری خوش قسمتی اور خوش نصیبی ہے کہ آپ جیسی
مہمان شخصیت ہماری مہمان ہیں۔ زہے نصیب آپ کی بھرپور میزبانی کی جائے گی اور
ایسی میزبانی ہوگی کہ آپ عمر بھر یاد رکھیں گی اور آپ کے ساتھ ایسا بہترین سلوک کیا
جائے گا جسے فراموش کرنا آپ کے لئے ممکن نہ ہوگا تو نیلم شرما نے مسکراتے ہوئے
نفاست شاہ کی طرف دیکھا اور بڑی ادا اور پیار سے دھنے واد بولا۔ حویلی کے سب سے
بہترین اور آراستہ کمرے میں نیلم شرما کی شب باسی کا انتظام کیا گیا۔ کمرے میں دبیز
قالین پر پڑے ڈبل بیڈ پر مہنگی اور بہترین بیڈ شیٹ ڈالی گئی کمرے کے چاروں کونوں
میں تازہ گلاب کے پھول ڈالے گئے کمرے کی کھڑکیوں پر بہت اعلیٰ اور نفیس پردے
لہرا رہے تھے اس کمرے کو اس طرح سے سجایا گیا تھا جیسے کسی ملکہ کی خواب گاہ ہو۔ جمشید
اختر نے چپکے سے اس کمرے میں ایک خفیہ کیمرہ لگا دیا جو پورے کمرے اور خاص طور پر
پورے بیڈ کو کور کر رہا تھا، کمرے میں کیمرہ لگانے والے معاملے کو جمشید نے ہر طرح
سے پوشیدہ رکھا اور اس بات کی خبر نیلم شرما کو بھی نہیں تھی کیونکہ وہ پاکستان میں نفاست
شاہ کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا اور اس کے ساتھ وہ بھارت
میں نیلم شرما سے بھی بہت سارے مالی اور دیگر فوائد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اصل میں اس
کا قیام پاکستان میں عارضی تھا کچھ عرصہ کے بعد اس نے واپس بھارت لوٹ جانا تھا۔
وہ اپنا مستقبل محفوظ اور روشن کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خواب ایک بری سی کوٹھی، پیسہ اور نئی
کار تھی۔ بھارت میں اس کی محبوبہ اور گرل فرینڈ رتی آگئی تھی۔ اپنا مشن مکمل کرنے کے

بعد واپس بھارت جا کر اس نے رتی اگنی سے شادی کر لی تھی اور نیلم شرما کو بلیک میل کر کے اس سے بھاری معاوضہ حاصل کرنا تھا۔ جمشید اختر کے اس ہولناک اور خوفناک منصوبے کا اس کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ بھارت سے آئے فلمی وفد کی رہائش کے سارے انتظامات نفاست شاہ کی حویلی میں کیئے گئے تھے۔ رات کے کھانے کا بڑا پر تکلف انتظام کیا گیا تھا کھانے میں مرغابیاں، بٹیریں، مچھلی، بکرے کا گوشت، سیخ کباب، بار بی کیو، بریانی اور روغنی تندوری نان کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا تھا اس کے علاوہ ولایتی شراب کی کثیر بوتلیں بھی اس پروگرام میں شامل تھیں۔ چنانچہ اس رات بھارتی وفد کی پر تکلف ضیافت کی گئی۔ رات گیارہ بجے نیلم شرما نے انتہائی مختصر ترین کپڑے پہنے جس میں اس کے خوبصورت گورے نرم وملائم جسم کا انگ انگ نظر آ رہا تھا اور غضب ڈھا رہا تھا۔ وہ مٹکتی ہوئی نفاست شاہ کے پاس آئی اور بولی شاہ جی پیگ لگانے کو دل کر رہا ہے تو پلیز شراب لے کر میرے کمرے میں آ جائیں ناں......
نفاست شاہ پہلے ہی تیار تھا تو وہ مہنگی ولایتی شراب اور دو گلاس لے کر نیلم شرما کے کمرے میں پہنچ گیا جہاں اس نے اپنے ہاتھوں سے دو پیگ بنائے ایک گلاس نیم شرما کو پیش کیا اور دوسرا اپنے لئے بنایا، دونوں نے اپنے اپنے گلاس ایک دوسرے کے ساتھ چیئر کیئے اور ہونٹوں سے لگا لئے۔ انہوں نے تقریباً دو دو پیگ لگائے اس کے بعد وہ برہنہ ہو گئے اور رقص ابلیس شروع ہو گیا۔ ان کے سارے یہ رنگین لمحات جمشید کے لگائے ہوئے خفیہ کیمرے میں ریکارڈ ہو گئے۔ نفاست شاہ بہت خوش تھا کیونکہ آج کی یہ یادگار رات اس نے بالی ووڈ کی مشہور فلمی ایکٹریس نیلم شرما کے ساتھ گزاری تھی۔ اس کا کچھ بھی خرچ نہ ہوا تھا۔ اگلے دن اس نے کالج جا کر خود کلچرل شو کے انتظامات کا جائزہ لیا، ضلع کے ڈپٹی کمشنر، اسسٹنٹ کمشنر، پولیس کے اعلیٰ افسران، ججوں اور شہر کی معروف شخصیات کو بمعہ فیملی اور کلچرل شو میں مدعو کیا گیا تھا۔ شام کو شو شروع ہوا تو تمام مندوبین نے گہری دلچسپی لی زنانہ، مردانہ شالز اور ساڑھیوں کی کثیر تعداد وہاں رکھی تھی

بہت اعلیٰ ڈیزائن پر مشتمل اور بھارتی آرٹ کا زبردست نمونہ ان میں نظر آتا تھا۔ ضلع اور تحصیل کے اعلیٰ افسران کو ان شالز اور ساڑھیوں کے تحفے دیئے گئے۔ اس کے بعد مقامات مقدسہ کی ایک فلم تمام مندوبین کو دکھائی گئی۔ پھر اسٹیج ڈرامہ شروع ہو گیا جس کی ہیروئن نیلم شرما اور ہیرو پاکستانی فلم انڈسٹری کا مشہور اداکار محمد جمیل تھا۔ ڈرامے کا ولن بھارتی اداکار آنند ورما تھا مجموعی طور پر پاکستانی اور بھارتی فنکاروں نے اس ڈرامہ میں کام کیا ڈرامے کا دورانیہ پہلے تو آدھا گھنٹہ تھا مگر بعد میں شائقین کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے ایک گھنٹے کا ہو گیا۔ ڈرامہ میں ہندو مسلم دوستی پر زور دیا گیا اور ہندو مسلمان کو بھائی بھائی قرار دیا گیا۔ اس کے بعد بھارتی ایکٹرسوں نے ڈانس کیا اور رقص و سرور کی محفل سجائی گئی۔ شائقین نے خوب داد دی۔ آخر میں بھارتی فلمی وفد کی چیئر پرسن مسلم نیلم شرما نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان کا یہ خیر سگالی کا دورہ بہت اچھا رہا پاکستانی عوام نے انہیں بہت عزت بخشی ہے خاص طور پر پیر نفاست شاہ صاحب جو کہ ایم۔ پی۔ اے بھی ہیں انہوں نے اپنی دیرینہ روایات کے مطابق رنگ، نسل، مذہب اور قومیت سے ہٹ کر پورے وفد کو پذیرائی بخشی اور مہمان نوازی کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ ان کا یہ حسن سلوک اور بہترین مہمان نوازی ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اس کے بعد تمام فنکاروں کو ایوارڈ سے نوازا گیا۔ پولیس اور عدلیہ کے اعلیٰ افسران سے سب کا تعارف کروایا گیا۔ تقریب کے آخر میں سب کو کھانا پیش کیا گیا اور یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔ اگلے روز بھارتی وفد اپنے وطن بھارت لوٹ گیا اور دو تین دن کے لئے جمشید اختر لاہور اپنے باس شفیع (ھری داس) سے ملنے چلا گیا اور جا کر اسے اپنی پوری کارگزاری سنائی شفیع نے اس کی واہ واہ کی اور دہلی میں پوری رپورٹ پہنچا دی۔ جہاں سے جمشید اختر کو شاباش ملی۔ اس کلچرل شو کی آڑ میں بھارت کے بہت مذموم مقاصد چھپے ہوئے تھے، ایک مقصد یہ تھا کہ حکومت پاکستان کو بتایا جائے کہ بھارت کی عوام پاکستانی عوام سے بہت پیار کرتی ہے یہ سب دوریاں ختم ہونی چاہئیں

اور ایک دوسرے کے ملک آنے جانے میں، ویزہ کے حصول میں نرمی ہونی چاہئے تا کہ بھارتی جاسوس اس نرمی کا فائدہ اٹھا کر بآسانی پاکستان آ اور جاسکیں۔ دوسرا مقصد تجارتی پابندیاں ختم ہوں جس سے بھارت اپنی اشیاء مہنگے داموں پاکستان کو فروخت کرسکیں۔ پاکستان سے ہی کثیر سرمایہ کما کر وہی سرمایہ پاکستان کے خلاف استعمال کیا جائے، پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا اور کمزور کر دیا جائے پاکستان کی معیشت کو تباہ کر دیا جائے کہ پاکستان ٹوٹ جائے۔ ہندوؤں نے آج تک پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا ہے ان کی آنکھوں میں پاکستان کا وجود اٹکتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کا وجود صفحہ ہستی سے مٹ جائے اسی لئے وہ دوستی اور پیار کا ہاتھ آگے بڑھاتے ہیں جس کی آڑ میں وہ یہاں دہشت گردی کرنا چاہتے ہیں، پاکستان کو ترقی کرتا نہیں دیکھنا چاہتے وہ یہاں شیعہ سنی فسادات کرانا چاہتے ہیں، مسلمان بھائیوں کو فرقہ واریت کی آڑ میں ایک دوسرے سے لڑانا چاہتے ہیں، بھارت کا تیسرا مقصد یہ تھا کہ یہاں بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دیا جائے یہاں کے مسلمان اپنے دینی عقائد سے ہٹ جائیں اور چوتھا مقصد دو قومی نظریہ کو غلط ثابت کرنا تھا جس کی آڑ میں پاکستان کا قیام وجود میں آیا۔ دراصل ہماری اصل اساس دو قومی نظریہ ہے، بھارت میں جس طرح کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ گائے کے ذبح پر پابندی ہے۔ ہندو مسلمانوں کو ملیچھ قرار دیتے ہیں۔ اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا کوئی کوٹہ نہیں ہے۔ بابری مسجد کو شہید کر دیا گیا۔ ہندو مسلمانوں کو نفرت کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ بدترین سلوک کیا جاتا ہے۔ دو قومی نظریہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے۔ دو قومی نظریہ کا وجود تو اسی وقت قائم ہو گیا تھا جب سورۃ الکفرون نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ فرما دیجئے۔ اے کافرو میں ان بتوں کی عبادت نہیں کرتا جنہیں تم پوجتے ہو۔ اور نہ تم اس رب کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ ہی میں آئندہ کبھی ان کی

عبادت کرنے والا ہوں اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس رب کی میں عبادت کرتا ہوں۔ سو تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے ہے۔ تو دو قومی نظریہ کا وجود آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی وجود میں آ گیا تھا۔ اور اسی نظریہ کی بنیاد پر پاکستان بنا ہے جسے آج ہندو غلط ثابت کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں مگر ہندوؤں کو کیا معلوم اگر یہاں نفاست شاہ جیسے چند غدار اور کرائے کے ٹٹو دستیاب ہیں تو دوسری طرف یہیں لاکھوں فرزندان اسلام پاکستان کی سالمیت کے لئے اپنا تن من اور دھن قربان کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ ہندو لاکھ کوشش کر لیں مگر وہ پاکستان کے وجود کو کبھی نہیں مٹا سکیں گے انشاء اللہ۔ ملک میں شائع ہونے والے اخبارات میں بھارتی وفد کی کارگزاری کو شائع کیا گیا اور خاص طور پر نفاست شاہ کے پالتو صحافی اور ایڈیٹروں نے ایسے شور کے انعقاد پر کھل کر داد دی اور لکھا کہ مستقبل میں بھی ایسے کلچرل شو ہونے چاہئیں۔ انہوں نے نفاست شاہ کے کردار کی دل کھول کر تعریف اور حمایت کی۔ جمشید اختر پانچ دن کے بعد واپس نفاست شاہ کے پاس آیا اور آ کر اسے مبارکباد دی کہ وزیراعظم صاحب کو آپ بہت اچھے لگے ہیں اور مرکزی حکومت نے آپ کے کاموں اور کردار کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ الیکشن میں آپ ایم۔ این۔ اے کی سیٹ کے لئے حصہ لیں گے اور آپ کی جیت کنفرم ہوگی۔ جب آپ ایم۔ این۔ اے بن جائیں گے تو آپ کو وفاقی وزیر بنا دیا جائے گا۔ مگر ابھی آپ اس خبر کی اطلاع کسی کو نہیں دیں گے۔ جمشید اختر نے پچیس لاکھ روپے بطور بیعانہ مرکزی حکومت کی طرف سے اسے پیش کئے اور کہا جب آپ الیکشن میں حصہ لیں گے تو تب تین کروڑ روپے حکومت کی طرف سے اسے پیش کئے جائیں گے۔ جمشید اختر کے منہ سے یہ باتیں سن کر نفاست شاہ کی باچھیں کھل گئیں وہ تصور کی آنکھ سے اپنے آپ کو ایم۔ این۔ اے منسٹر جھنڈے والی گاڑی میں پولیس کے پروٹوکول میں اپنے آپ کو بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اس کی صدر پاکستان اور وزیراعظم پاکستان سے ملاقاتیں ہونگی۔ پورے ملک

میں اس کا نام ہوگا وہ عزت اور شہرت کی بلندیوں پر ہوگا۔ جمشید اختر نے کچھ زیادہ ہی اس میں ہوا بھر دی تھی۔ جمشید اختر نے اسے خوشخبری سنائی کہ اس پر بنا ہوا کیس بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ اس نے ایسی زبردست رپورٹ لکھی ہے کہ وہ دودھ کا دھلا ہو گیا ہے۔ اب کوئی بھی اس پر انگلی نہیں اٹھائے گا۔ نفاست شاہ نے فرطِ مسرت سے اسے گلے لگالیا اور بولا جناب جمشید صاحب میرے لئے کوئی حکم ہو تو بلا تردد فرمایئے تو جمشید بولا جناب حکم تو کوئی نہیں بس ایک درخواست ہے۔ جی جی آپ فرمائیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ تو جمشید بولا جناب میرا ایک بہت قریبی عزیز دوست جو کہ سٹون کریشنگ کا کام کرتا ہے اسے بجری بنانے کے لئے پہاڑ پر سرنگیں لگانی پڑتی ہیں جنہیں دھماکے کے ساتھ بلاسٹ کیا جاتا ہے اور اس کے لئے دھماکہ خیز مواد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب چونکہ حکومت پاکستان نے دھماکہ خیز مواد پر پابندی لگائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے میرے اس دوست کا کاروبار بہت مندا چل رہا ہے بلکہ یوں سمجھ لیں کہ اس کا کاروبار ختم ہو گیا ہے۔ اب تو آپ جانتے ہی ہیں کہ بڑی بڑی عمارتوں، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر میں بجری استعمال کی جاتی ہے اور بجری تب بنے گی جب اسے بڑے بڑے پتھر ملیں گے تو آپ کی سفارش سے اسے کچھ دھماکے دار مواد مل جائے تو اس کا رکا ہوا کاروبار دوبارہ چل پڑے گا تو وہ اور اس کے بچے اور سینکڑوں مزدور جو اس کے کریشنگ پلانٹ پر کام کرتے ہیں تو وہ آپ کو کتنی دعائیں دیں گے، نفاست شاہ اس وقت وفاقی وزیر بننے کے چکر میں خوشی سے بیٹھا ہوا تھا تو بولا جمشید صاحب یہ تو آپ نے بہت چھوٹا کام بتایا ہے۔ کوئی بڑا کام بتائیں۔ جمشید بولا جناب میرے دوست کے لئے اس وقت سب سے بڑا کام یہی ہے اس کی روزی روٹی کا سوال ہے۔ وہ بے چارہ بہت پریشان ہے تو بس آپ اس کی یہ پریشانی ختم فرما دیں۔ نفاست شاہ بولا سمجھیں آپ کا کام ہو گیا۔ اس نے اپنے نام کا پیڈ اٹھایا اور اس پر لکھا کہ جمشید صاحب کو دھماکہ خیز مواد مہیا کر دیا جائے جسے وہ سن رائیز سٹون کریشنگ پلانٹ کے لئے

استعمال کریں گے۔ لہٰذا انہیں یہ مواد مہیا کرنے کی پرزور سفارش کی جاتی ہے۔ نیچے اس نے دستخط کر کے مہر لگا دی اور ساتھ ہی دھماکہ خیز مواد بنانے والی فیکٹری کے جنرل منیجر کو فون بھی کر دیا۔ جمشید اختر نے وہ سفارشی لیٹر لیا اور نفاست شاہ کا بھرپور شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلنے لگا تو اس نے نفاست شاہ کے پی۔ ٹی۔ سی ایل ٹیلی فون سے شفیع کو کال کی اور اسے بتایا کہ شاہ صاحب نے آپ کا کام کر دیا ہے۔ ایک دو روز میں اسے دھماکہ خیز مواد مل جائے گا جس سے وہ اپنا کاروبار جاری رکھ سکے گا۔ شفیع نے ٹیلی فون پر نفاست ساہ کا شکریہ ادا کیا اور جمشید اختر وہ لیٹر لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اگلے دن جمشید دھماکہ خیز مواد بنانے والی فیکٹری پہنچ گیا اور نفاست شاہ کا لیٹر ان کے حوالے کیا جس کے بدلے میں اسے صرف چالیس کلو مواد فراہم کیا گیا۔ اس سے زیادہ وہ نہیں دے سکتے تھے۔ دھماکہ خیز مواد یعنی بارود کی فروخت پر حکومت نے پابندی عائد کی ہوئی تھی بارود صرف لائسنس ہولڈر اور جن کے پاس پرمٹ تھے انہیں ہی فروخت ہوتا تھا اور وہ بھی مہینے میں صرف ایک بار مخصوص وزن کا دیا جاتا تھا۔ اب جمشید کے پاس نہ تو لائسنس تھا اور نہ ہی پرمٹ بس اس کے پاس صرف حلقے کے ایم۔ پی۔ اے کا سفارشی لیٹر اور اس کی ٹیلی فون کال تھی۔ جس پر فیکٹری والوں نے کمال مہربانی کرتے ہوئے اسے صرف چالیس کلو بارود دیا اور اپنے پاس سن رائیز سٹون کریشنگ پلانٹ کے نام جاری کر دیا اور نفاست شاہ کا لیٹر اپنے ریکارڈ میں رکھ لیا۔ وہ پرامن دور تھا کبھی بھی دہشت گردی اور بم دھماکے کی واردات نہیں ہوئی تھی اس لئے بڑی آسانی سے جمشید کو بارود مل گیا جمشید نے اس کی ادائیگی کی اور بارود کا وہ کارٹن اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچا دیا۔

بھارت کی طرف سے کیئے گئے کلچرل شوز کی جہاں مختلف حلقوں میں تعریف اور پذیرائی کی گئی تو وہاں کچھ محبِّ وطن اور دین سے لگاؤ رکھنے والی شخصیات نے اس پر تنقید بھی کی۔ اس پر ٹی۔ وی پر بہت سارے پروگرامز پیش کیئے گئے کئی مذاکرے اور بحث و تمحیص بھی کی گئی جن میں پاکستان کے مشہور عالم دین اور مبلغ جناب ڈاکٹر عبدالحق باری

صاحب تھے۔انہوں نے بڑے مدلل انداز میں ان شوز پر تنقید کی اور کہا ایسے شوز ہماری
عوام کے لئے زہر قاتل ہیں ان سے ہماری اسلامی اقدار کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ
ہندو ہمارے ازلی دشمن ہیں مگر وہ منافقانہ دوستی کی آڑ میں ہماری قومی غیرت اور حمیت
ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پاکستان میں بے حیائی کا فروغ چاہتے ہیں۔ وہ ہماری نئی نسل
کو تباہ کرنا چاہتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہماری نسل کو پتہ چلے کہ ہندوستان کی تقسیم غلط
تھی۔ وہ ایسی رقص وسرور کی محفلیں منعقد کر کے ہماری نسل کے کانوں میں عریانی کا میٹھا
زہر انڈیل رہے ہیں۔ اسی دوستی کی آڑ میں وہ ہمارے ملک میں دہشت گردی اور
بدامنی بپا کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا ہماری حکومت کو چاہئے کہ ایسے شوز پر مکمل پابندی عائد
کرے اور کسی ایم۔ این اے یا ایم پی اے کو ان شوز میں شرکت نہیں کرنی چاہئے مگر
افسوس کہ ہمارے ایک۔ ایم۔ پی۔ اے صاحب جو اپنے آپ کو سید کہلواتے ہیں
انہوں نے نہ صرف اس شو میں شرکت کی بلکہ وفد کے تمام مندوبین کو اپنی حویلی میں
ٹھہرایا اور ان کی خوب مہمان نوازی کی گئی۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ یہ کلچرل شو نفاست شاہ
صاحب نے ہی منعقد کروایا ہے۔ یہ ہم سب کے لئے ایک سوالیہ نشان ہے۔ جب
ہمارے دینی اور مذہبی رہنما ہی ایسے کام کریں گے تو باقی عوام کا اللہ ہی حافظ ہے۔
ڈاکٹر مولانا عبدالحق باری صاحب کے اس بیان کو ملک میں بہت پذیرائی ملی اور ان کی
باتوں کو بہت پسند کیا گیا۔ ڈاکٹر مولانا عبدالحق باری صاحب جنہوں نے دینی علوم، فقہ
کے ساتھ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی ہوئی تھی۔ وہ دینی اور مذہبی اسکالر تھے۔ ان کا انداز
بیان بہت خوبصورت تھا وہ بڑے مدلل انداز میں گفتگو فرماتے تھے اور ان کی کہی ہوئی
باتیں آج تک کوئی غلط ثابت نہیں کر سکا تھا۔ وہ مخلص اور محبِّ وطن شخصیت تھے ان کے
چاہنے والوں کی ایک کثیر تعداد ملک میں موجود تھی وہ ایک عاشق رسول اور اسلام کے
نامور عالم دین تھے پورے ملک میں ان کی بہت عزت اور احترام تھا۔ ان کا یہ بیان
نفاست شاہ نے بھی سنا اور جمشید اختر کے ساتھ شفیع نے بھی سنا ان تینوں کو ان کی کہی

ہوئی باتیں آج تک کوئی غلط ثابت نہیں کر سکا تھا۔ وہ مخلص اور محبِّ وطن شخصیت تھے۔
ان کے چاہنے والوں کی ایک کثیر تعداد ملک میں موجود تھی وہ ایک عاشق رسول اور
اسلام کے نامور عالم دین تھے پورے ملک میں ان کی بہت عزت اور احترام تھا۔ ان کا
یہ بیان نفاست شاہ نے بھی سنا اور جمشید اختر کے ساتھ شفیع نے بھی سنا ان تینوں کو ان کی
کہی باتیں پسند نہ آئیں بلکہ غصہ آیا کیونکہ وہ آئندہ ہونے والے ایسے شوز پر پابندی
لگوانا چاہتے تھے۔ ان کی باتیں بھی حق پر مبنی تھیں، لہٰذا شفیع نے دہلی رابطہ کر کے اپنے
Raw کے ہیڈ کوارٹر سے ہدایات لیں جن کے مطابق فیصلہ کیا گیا کہ ڈاکٹر مولانا
عبدالحق باری صاحب کو ختم کر دیا جائے۔ شفیع نے یہ ٹاسک جمشید اختر کے ذمہ لگایا مگر
فوری طور پر ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا کیونکہ ان کے تازہ بیان کے بعد اگر انہیں قتل کیا
گیا تو سارا ملبہ بھارت پر پڑے گا۔ اس لئے کچھ وقت کے لئے انتظار کرنے کا بولا گیا۔

آج اللہ پاک نے زرگم کو ایک بہت بڑی خوشی عطا فرمائی اور وہ یہ کہ اس کے
ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ لائبہ نے ہسپتال میں نارمل ڈلیوری کے ذریعے ایک بہت
خوبصورت بیٹے کو جنم دیا۔ زرغم اپنے بیٹے کو ہاتھوں میں اٹھایا ہوا تھا وہ بہت خوش تھا اور
ہسپتال کے عملے سے مبارکبادیں وصول کر رہا تھا۔ جب وہ بیٹے کو لے کر ہسپتال کے
پرائیویٹ کمرے میں لائبہ کے پاس گیا تو لائبہ نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور
مبارکباد دی۔ زرغم نے بیٹے کو اس کے پہلو میں لٹایا اور جھک کر لائبہ کا ماتھا چوما اور اس
کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گیا اور بولا لائبہ میری جان بہت پیارا تحفہ آج تم نے مجھے دیا ہے۔ تو
لائبہ بولی زرغم یہ ہمارے اللہ کا خاص کرم ہے ہم گنہگاروں پر یہ سب اسی پاک ذات کی
عطا ہے یہ خوبصورت تحفہ اسی نے ہماری جھولی میں ڈالا ہے۔ الحمدللہ بے شک یہ
ہمارے سوہنے رب کی خاص کرم نوازی ہے اس پاک رب کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے
کم ہے۔ پھر زرغم نے اپنے بیٹے کے کان میں اذان دی اور اسی وقت انہوں نے بیٹے
کا نام محمد اشعر رکھ دیا۔ ایک دن اور ایک رات لائبہ ہسپتال میں رہی اور اگلے دن اسے

ھسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا وہ دونوں گھر آ گئے ۔زرغم نے ایک ہفتہ کی چھٹی لے لی جبکہ لائبہ کی تین ماہ کی میٹرنٹی ہوم منظور ہوگئی تھی زرغم نے وہ پورا ہفتہ گھر میں گزارا وہ لائبہ کو کوئی کام کرنے نہیں دیتا تھا۔گھر کی صفائی ستھرائی، برتن دھونا، کپڑے دھونا، اشعر کے لنگوٹ دھونا اور سالن بنانا یہ سب کام وہ اپنے ہاتھ سے کرتا، روٹیں وہ ہوٹل سے لے آتا۔لائبہ بار بار کہتی زرغم میں بالکل ٹھیک ہوں تو پلیز مجھے کوئی کام تو کرنے دیں ناں مگر زرغم کہتا نہیں لائبہ بس تم آرام کرو، لائبہ اپنی قسمت پر بہت نازاں تھی اور ہر دم اللہ کا شکر ادا کرتی کہ اسے اتنا پیار کرنے والا اور خیال رکھنے والا جیون ساتھی ملا ہے۔
دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہفتہ گزر گیا۔آج زرغم کی چھٹی کا آخری دن تھا اور اگلے روز اس نے دفتر جانا تھا۔اور جب وہ دفتر گیا تو اس کے کولیگز، دوسرے پولیس اہلکاروں اور آئی۔جی صاحب نے اسے مبارکباد دی۔زرغم اپنے دفتر کا کام بڑی ایمانداری اور ذمہ داری سے کرتا۔سب کی عزت کرتا حٰی کہ اپنے پیون کو بھی وہ آپ کہہ کر مخاطب کرتا۔اپنے اعلیٰ افسران کا وہ منظورِ نظر اور اپنے ماتحتوں کے لئے ایک مثال تھا۔سب اس سے بہت پیار کرتے اور اسے بہت عزت دیتے۔چونکہ وہ بہت لائق اور ذہین تھا اس لئے بہت سارے الجھے ہوئے کیس وہ بہت جلد حل کر لیتا تھا اور سب سے بڑی بات وہ بہت دیانت اور حلال روزی کھانے والا پولیس افسر تھا۔وہ رشوت اور سفارش کو سخت ناپسند کرتا تھا اس کے ماتحتوں کی بھی جرأت نہیں تھی کہ وہ اس کے ہوتے ہوئے ایک روپیہ بھی رشوت لیں۔آئی۔جی۔صاحب بھی اس کے کام سے بہت مطمئن تھے اور اس پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔اس کی قابلیت اور خوبیوں کو دیکھتے ہوئے انہوں نے ابھی تک اسے اپنے دفتر میں رکھا ہوا تھا۔اس کی پوسٹنگ ٹرانسفر کسی دوسرے علاقے میں ابھی تک نہیں کی تھی۔حالانکہ جو بھی نیا افسر آتا اس کی کوشش ہوتی کہ وہ جلد از جلد اس کی کسی دوسرے ضلع یا تحصیل میں پوسٹنگ ہو جائے۔کہتے ہیں کہ ایس۔ایچ۔او اپنے تھانے کے علاقے کا بے تاج بادشاہ ہوتا ہے اور جس افسر کے

ایسے بے تاج بادشاہ ماتحت ہوں تو اس کی حیثیت ایک راجہ جیسی ہوتی ہے۔اے۔ایس۔پی کی اپنے علاقے میں بہت دہشت، رعب، دبدبہ، عزت اور شان وشوکت ہوتی ہے تو اسی لئے کوئی بھی نیا افسر وہاں نہیں ٹھہرتا تھا اور اپنی ٹرانسفر کسی دوسرے ضلع میں کروا لیتا۔جبکہ زرغم نے ایسا نہ کیا وہ خاموشی سے آئی۔جی صاحب کے دفتر میں کام کر رہا تھا۔وہ نہ تو اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھاتا اور نہ ہی اسے کسی دوسرے پر رعجب جمانا اور اپنی شان وشوکت دکھانے کا شوق تھا۔وہ پاکیزہ زندگی گزار رہا تھا صوم وصلوٰۃ کا پابند اور احکام شریعت پر عمل کرنے والا انسان تھا۔وہ ظالم کے خلاف تھا اور مظلوم کی بھرپور مدد کرتا وہ حق سچ کا ساتھ دینے والا انسان تھا وہ بخوبی جانتا تھا کہ مرنے کے بعد انسان کا نام ختم ہو جاتا ہے اور وہ میت بن جاتا ہے اور ساتھ ہی اس کی تعلیم عہدہ حسب نسب ذات برادری سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور اسے منوں من مٹی کے نیچے قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔اگر اس کے اعمال اچھے ہونگے تو اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگا اور اعمال اچھے نہ ہونے کی صورت میں دوزخ کا گڑھا، یہ انسان کی حقیقت ہے مگر افسوس آج کا انسان اقتدار، جاہ ومنصب اور طاقت حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا۔ظلم، جبر واستعداد، ناانصافی اور پ پیسے کا حصول اس کا اولین مقصد بن چکا ہے۔پیسے کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔یہ دنیا زن، زر اور زمین کے اردگرد گھوم رہی ہے۔سارے فسادات اور جرائم کی وجہ یہ تینوں چیزیں ہیں انہی کے حصول کے لئے انسان نے معاشرے میں فساد برپا کر رکھا ہے۔اب تو ہم صرف نام کے مسلمان ہیں۔اپنی آخرت کو بھول گئے ہیں کہ ایک دن ہمیں اللہ کے حضور پیش ہونا چاہئے جہاں ہم نے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔قبر میں یہ دولت کام آئے گی نہ رشتہ دار، دوست یار نہ زمینیں نہ کوٹھیاں نہ کاریں جہاں نہ کوئی وکیل ہوگا اور نہ سفارش، بس اگر کوئی ساتھ ہوگا تو وہ صرف اور صرف ہمارے اچھے اعمال، مگر ہم یہ سب کچھ بھول گئے ہیں، زرغم جیسے انسان اور پولیس آفیسر کی مثال اندھیرے میں

روشنی کی کرن جیسی ہے کاش یہ کرنیں اکٹھی ہو کر ایک سورج کا روپ دھار لیں جن سے ہمارا معاشرہ اور ہماری دنیا جگمگا اٹھے۔

جمشید اختر نے اپنے دونوں ساتھیوں کی مدد سے اس دھماکہ خیز مواد سے بیس بیس کلو کے دو بم تیار کئے جن کے پھٹنے سے سینکڑوں لوگوں کی جانیں چلی جاتیں۔ روی کمار، اروپ گپتا اور ارون ورما یہ تینوں انتہائی سفاک انسان تھے ان کی نظر میں انسانیت نام کی کوئی چیز نہ تھی وہ تینوں پاکستان میں اپنے مذموم مقاصد لے کر آئے تھے جنہیں انہوں نے ہر حال میں پورا کرنا تھا مگر اب تک انہیں اپنے مقاصد میں کوئی خاص کامیابی نہیں ملی تھی۔ پاکستان ایٹمی پاور بننے جا رہا تھا مگر وہ تینوں اسے روک نہیں سکتے تھے کیونکہ یہاں سیکورٹی بہت سخت تھی۔ جس جگہ ایٹمی تجربات ہو رہے تھے اس جگہ سے میلوں دور تک کسی کو بھٹکنے کی اجازت نہ تھی اسی طرح ایئر فورس کے جتنے بھی بیس تھے وہاں چوبیس گھنٹے پاکستانی کمانڈوز چاک و چوبند اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہے تھے اس کے علاوہ جگہ جگہ خفیہ کیمرے لگے ہوئے تھے جن کی وجہ سے ہر شخص کی حرکات ریکارڈ ہو رہی تھیں۔ اروپ گپتا اور ارون ورما نے بڑے بھیس بدلے بڑی کوششیں کی مگر وہ اپنے ارادوں میں ناکام رہے۔ اور انشاءاللہ ناکام رہیں گے کیونکہ پاکستان کی دھرتی کے عظیم سپوت انڈیا کے ارادوں سے باخبر ہیں اور ہر وقت چوکنا رہ کر اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں۔ اب ان تینوں دہشت گردوں نے اپنی حکمت عملی بدل لی اب ان کا پروگرام وسیع پیمانے پر دہشت گردی کرنا تھا اور ایسی دہشت گردی جس سے پاکستان کے درودیوار کانپ جائیں۔ یہ پنجاب کا ضلع خیر آباد اور اس کی تحصیل رانی پور تھی یہ پورا ضلع اور اس کی تحصیلیں بہت زرخیز تھیں، یہاں پر ہر قسم کی فصلیں کاشت ہوتی تھیں جن میں گندم، چاول، ہر طرح کی سبزیاں، آم، مالٹے، کیلے اور کپاس کی وسیع کاشت کاری ہوتی ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں یہ پنجاب کا سب سے زیادہ خوشحال ضلع تھا۔ یہاں کی ہر فصل ہر سال بہت اچھی ہوتی اور ملک کے طول وارض میں یہیں

سے سپلائی کی جاتی۔ یہاں کے لوگ بہت خوشحال تھے۔ اب ان تینوں دہشت گردوں نے اسی ضلع کو دہشت گردی کا نشانہ بنانا تھا یہی ان کا ٹارگٹ تھا اب اس پر عمل کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ یہاں کے بازاروں میں کافی رش اور چہل پہل ہوتی تھی۔ سارے بازار صبح سے رات تک بھرے رہتے، سیزن کے دنوں میں یہاں کے ہوٹل فل ہوتے تھے۔ دوسرے شہروں سے آئے ہوئے بیوپاری اور تاجر حضرات فصلیں خریدنے کے لئے یہاں آ جاتے اور گھوم پھر کر کپاس، فروٹ اور سبزیاں وغیرہ خریدتے اور انہیں ٹرکوں میں لوڈ کر کے اپنے اپنے علاقے میں لے جاتے۔ ان تینوں دہشت گردوں نے سوچا کہ یہی مناسب وقت ہے اور اسی وقت ہی کوشش کرنی چاہئے۔ انہوں نے کباڑ خانے سے دو کھٹارا موٹر سائیکلیں خریدیں۔ پھر تھوڑے سے پیسے لگا کر انہیں چلنے کے قابل بنایا۔ ان میں بیس بیس کلو کے ٹائم بم نصب کئے اور اپنے حلیے تبدیل کئے اور ایک موٹر سائیکل شہر کے مشہور اور سب سے زیادہ بارونق، شاہین بازار کے وسط میں دیگر پارک کئے گئے موٹر سائیکلوں کے درمیان کھڑا کر دیا اور دوسرا موٹر سائیکل اناج منڈی میں کھڑا کر دیا۔ دونوں کے بموں میں آدھے گھنٹے کا ٹائم فکس کیا اور چپکے سے وہاں سے نکل گئے۔ بازار اور اناج منڈی میں چہل پہل تھی۔ آج کچھ زیادہ ہی رش تھا لوگ خریداری کر رہے تھے اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ جب بموں کا ٹائم پورا ہو گیا تو سب سے پہلے شاہین بازار میں ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ وہاں کھڑے درجنوں موٹر سائیکلوں کو آگ لگ گئی لوگوں کے چیتھڑے اڑ گئے۔ دو منٹ کے بعد اسی طرح کا دھماکہ اناج منڈی میں ہوا وہاں بھی موٹر سائیکلوں کے ساتھ خشک اناج کو آگ لگ گئی۔ ہر طرف چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ سینکڑوں لوان دھماکوں کے نتیجہ میں شہید ہو گئے۔ بے شمار لوگ بری طرح زخمی ہوئے، بہت سی دوکانیں گر گئیں کئی عمارتوں کو نقصان پہنچا، لوگوں کی املاک تباہ ہو گئیں۔ ایک قیامت صغریٰ بپا ہو گئی۔ تمام ہسپتالوں میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی، سڑکوں پر ایمبولینسیں دوڑ رہی تھیں جو زخمیوں کو ہسپتال

شفٹ کر رہی تھیں۔ تمام ہسپتال بھر گئے زخمی فرش پر لیٹے تکلیف سے کراہ رہے تھے۔
ضلع کی پولیس حرکت میں آ چکی تھی۔ آئی۔ جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب اپنے
دفاتر سے اٹھ کر جائے وقوعہ پر آنے کے لئے چل پڑے تھے۔ پی۔ ٹی۔ وی کی تمام
معمول کی نشریات روک کر بریکنگ نیوز نشر کی جا رہی تھیں۔ پی۔ ٹی۔ وی کے
نمائندے جائے وقوعہ پر پہنچ چکے تھے اور لمحہ بہ لمحہ کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ صوبے کے
وزیر اعلیٰ، وزیر اعظم اور صدر پاکستان کے تعزیتی بیان آ رہے تھے اور قوم کو یقین
دلا رہے تھے کہ قانون کے ہاتھ بہت جلد دہشت گردوں کی گردنوں میں ہونگے۔ بڑی
ہولناک تباہی ہوئی تھی۔ کئی گھر اُجڑ گئے۔ سینکڑوں سہاگنیں بیوہ ہوگئیں۔ ہزاروں بچے
یتیم ہوگئے۔ جب شام تک سارے اعداد و شمار اکٹھے ہوئے تو ان کے مطابق چھ سو
پچاس افراد شہید ہوئے اور آٹھ سو کے قریب زخمی ہوئے، جن میں سیریس زخمیوں کو
لاہور شفٹ کر دیا گیا، ہر آنکھ اشکبار تھی، لوگ رو رہے تھے، بیوہ عورتیں بین کر رہی
تھیں، تو دوسری طرف وہ تین دہشت گرد روی کمار، اروپ گیتا اور ارون ورما علاقے
سے دور ایک محفوظ گھر میں بیٹھے ہنس رہے تھے اور شراب پی رہے تھے۔ شفیع نے بھی
دھماکوں کی خبر ٹی۔ وی پر دیکھ لی تھی اور دہلی اپنے آقاؤں تک بھی یہ خبر پہنچا دی تھی۔
آج را والے بہت خوش تھے کیونکہ ان کا ایک مقصد پورا ہو چکا تھا وہ اپنے ان تین
دہشت گردوں کو شاباش دے رہے تھے۔ اگلے دن ان تمام شہیدوں کو سپرد خاک کر دیا
گیا۔ وزیر اعلیٰ پنجاب فوراً علاقے میں آئے اور ہسپتالوں میں زخمیوں کی عیادت کی ہر
مرنے والے اور زخمی کی مالی اعانت کا اعلان کیا۔ ملک میں تین دن سوگ منایا گیا۔
آئی۔ جی۔ صاحب نے پولیس افسران اور اہلکاروں کو ہدایات دیں کہ اس دہشت
گردی کی پوری انکوائری کی جائے اور مجرمان کو جلد از جلد گرفتار کر کے ان کے منطقی
انجام تک پہنچایا جائے، پولیس۔ آئی جی صاحب کے احکامات کی روشنی میں تفتیش
کر رہی تھی۔ جن موٹر سائیکلوں کے ذریعے دھماکے کئے گئے وہ مکمل طور پر تباہ ہوگئے تھے

ان کے انجن نمبر اور چیسز نمبر نہیں مل رہے تھے، پولیس نے جائے وقوعہ پر جا کر جگہ کا
معائنہ کیا اور باریک بینی سے ہر پہلو کو دیکھا مگر کوئی کلو نہیں ملا۔ اِرد گرد کے
دوکانداروں سے معلومات لیں کہ وہ دونوں موٹر سائیکل کس نے وہاں کھڑے کئے تھے
اوّل تو جنہوں نے دیکھا تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں تھے اور کوئی بھی شخص یہ نہ بتا سکا کہ
وہ کون تھے۔ پولیس نے کچھ مشتبہ افراد کو گرفتار کر کے ان سے تفتیش کی مگر ان میں سے
کوئی بھی دہشت گرد نہ تھا بہرحال پولیس نے اپنی تفتیش جاری رکھی۔ ادھر آئی۔ جی
صاحب بہت پریشان تھے کہ اتنی بڑی دہشت گردی کی واردات ہوگئی تھی مرکزی
حکومت ان سے جواب مانگ رہی تھی تو انہوں نے فوری ایک فیصلہ کیا وہ یہ کہ ایک ٹیم
تیار کی جو وہاں جا کر تفتیش کرے گی۔ اے۔ ایس۔ پی زرغم کو بھی رانی پور میں ٹرانسفر
کر دیا۔ آئی۔ جی صاحب نے زرغم سے کہا تم بہت لائق، ایماندار اور ذمہ دار آفیسر ہو
مجھے امید ہے کہ تم اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر مجرموں کو گرفتار کرو گے۔ مجھے
تم سے پوری امید ہے تو زرغم کہنے لگا سر انشاء اللہ آپ کی امیدوں پر پورا اتروں گا مجھے
تھوڑا سا ٹائم چاہئے اور مکمل اختیارات تو میں آزادی سے وہاں اپنا کام کر سکوں۔
آئی۔ جی صاحب بولے تمہیں مکمل اختیارات حاصل ہونگے مگر ٹائم زیادہ نہیں ہے
کوشش کرنا کہ کم سے کم ٹائم میں یہ کیس حل کرو۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ پندرہ یا بیس دن
دیئے جا رہے ہیں جو کچھ بھی کرنا ہے انہی دنوں میں کرو گے اور مجھے رپورٹ پیش کرو
گے۔ تو زرغم بولا بہتر سر میں صبح سے ہی وہاں جا رہا ہوں۔ میری بیوی اور بچہ ادھر ہی
رہیں گے۔ بس آپ سے درخواست ہے کہ ان کی حفاظت کا بندوبست کر دیجئے گا۔
او کے زرغم تم بےفکر رہو میں تمہاری بیوی بچے کی مکمل حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں تم بےفکر ہو
کر وہاں جاؤ اور اپنا کام کرنا شروع کر دو۔ زرغم نے آئی۔ جی صاحب کو سیلوٹ کیا اور
شکریہ بولا اور وہاں سے سیدھا اپنے گھر آ گیا۔ اس نے آ کر لائبہ کو ساری بات بتائی
کہ کیس بہت اہم ہے اس لئے وہ صبح سحری کے ٹائم گھر سے نکل جائے گا تم میرا سفری

بیگ تیار کردو۔ لائبہ یہ سن کر پریشان اور اداس ہوگئی کیونکہ شادی کے بعد یہ پہلا موقع
تھا کہ وہ دونوں جدا ہو رہے تھے۔ مگر لائبہ نے بہت جلد اپنی پریشانی پر قابو پالیا اور زرغم
کا بیگ تیار کرنے لگی ادھر آئی۔ جی صاحب نے ایک لیڈی کانسٹیبل کی ڈیوٹی لگادی کہ
وہ زرغم کے گھر اس کی بیوی لائبہ کے ساتھ رہے گی اور دو کانسٹیبلوں کی بھی ڈیوٹی لگادی
کہ وہ زرغم کے گھر پر نظر رکھیں۔ جس لیڈی کانسٹیبل کی ڈیوٹی لائبہ کے ساتھ لگی تھی اس کا
نام نبیلہ تھا۔ وہ بڑی بہادر اور نڈر عورت تھی اس کے پاس جاپانی ساخت کا ایک پسٹل
تھا جو وہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ اگلی صبح سحری کے وقت زرغم بیدار ہوا فجر کی نماز
ادا کی ناشتہ کیا اور رانی پور کے لئے روانہ ہوگیا۔

ڈاکٹر مولانا عبدالحق باری صاحب سید تھے ان کا سلسلہ نسب امام عالی مقام
جناب سیدنا امام حسین علیہ السلام سے ملتا تھا۔ وہ بہت عاجز انسان تھے۔ اپنے نام کے
ساتھ سید نہیں لکھتے تھے یہ ان کی عاجزی تھی۔ مگر وہ حق سچ کا ہمیشہ ساتھ دیتے تھے، کوئی
بھی غلط بات یا کام ہوتا تو اس کے خلاف کھل کر بولتے اور ڈنکے کی چوٹ پر بولتے۔
وہ عاجزی اور انکساری کا پیکر تھے ان کے مریدوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ زرغم بھی
ان کا بہت معتقد تھا۔ ان کے بیانات بڑے شوق سے سنتا تھا اور ان سے بہت عقیدت
رکھتا تھا، جب سے انہوں نے بھارتی کلچرل شو کے خلاف بات کی تھی تو ''را'' والے ان
کے بہت خلاف ہوگئے تھے کیونکہ ایسی ہستیوں کے بیانات سے ان کے کاموں میں
رکاوٹ بن جاتی ہے۔ لہٰذا دہلی سے شفیع کو پیغام موصول ہوا کہ عبدالحق باری صاحب کو
ختم کر دیا جائے۔ شفیع نے یہ پیغام جمشید اختر کو دیا کہ آنے والے دو تین روز میں باری
صاحب کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ جمشید اختر نفاست شاہ کے پاس ایا اور بولا کہ
مرکزی حکومت کا آرڈر ہے کہ آپ باری صاحب کو قتل کر دیں۔ یہ سن کر نفاست شاہ
بولا یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟ وہ تو ایک نامور عالم دین اور مبلغ اسلام ہیں ان کا کیا
قصور ہے مرکزی حکومت انہیں کیوں مروانا چاہتی ہے۔ ابھی حال ہی میں دہشت

گردوں نے دو جگہوں پر بم دھماکے کئے ہیں سینکڑوں افراد شہید اور زخمی ہوئے ہیں ان
کا غم تازہ ہے اور آپ باری صاحب کو مروانا چاہ رہے ہیں۔ نفاست صاحب میں نہیں
بلکہ مرکزی حکومت یہ سب کروانا چاہتی ہے۔ باقی آپ کا ذمہ اس لئے لگایا ہے کہ آپ
اس کام میں بہت ماہر ہیں اپنے کتنے مخالفوں کو آپ مروا چکے ہیں خاص طور پر رشید کا
قتل کیس نے کروایا اور اس کی چھ مربع زمین پر اب کس کا قبضہ ہے؟ باقی آپ ایم۔
این۔ اے نہیں بننا چاہتے تو آپ کی مرضی۔ یہ سن کر نفاست شاہ خاموش ہوگیا اور کچھ
سوچنے لگا۔ اسی اثناء میں جمشید نے ایک کیمرہ نکالا اور اس کی اور نیلم شرما کے رنگین
لمحات کی فلم اسے دکھائی جسے دیکھ کر نفاست شاہ کی سٹی گم ہوگئی اسے پسینہ آگیا اور وہ
پریشان ہوگیا۔ جمشید نے اس پر کڑی ضرب لگائی تھی۔ جمشید بولا یہ ویڈیو آپ کے
مخالفوں کے پاس بھی جاسکتی ہے تو سوچئے آپ کی کیا عزت رہ جائے گی۔ یہ شان،
عہدہ، پیری مریدی، رعب دبدبہ تو ختم ہو جائے گا آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں
رہیں گے۔ نفاست شاہ بولا اب آپ کیا چاہتے ہیں......؟ جمشید نے کہا وہی جو آپ
سے کہا ہے۔ دو دن کے اندر اندر عبدالحق باری صاحب کو قتل کروا دیں اس سے میں یہ
ویڈیو ڈیلیٹ کر دوں گا۔ اور دوسرا آپ کے ایم۔ این۔ اے بننے کی راہ بھی ہموار
ہو جائے گی جس سے آپ کی شان و شوکت اور بڑھ جائے گی اور پھر آپ منسٹر بھی بن
جائیں گے۔ اچھا آپ وعدہ کریں کہ کام ہو جانے کے بعد آپ یہ ویڈیو ڈیلیٹ کر دیں
گے......؟ جمشید بولا جی بالکل آپ سے پکا وعدہ ہے اور اس کی جو بھی آپ ضمانت
چاہیں گے وہ آپ کو مل جائے گی بس آپ عبدالحق باری والا کام کر دیں تو اس کے بعد
آپ آزاد ہونگے اور ایم۔ این۔ اے بننے کی تیاری کریں چار پانچ روز کے بعد میں
آپ کے پاس آجاؤں گا اور آپ کے سامنے یہ ویڈیو ڈیلیٹ کر دوں گا۔ نفاست شاہ
بولا او کے عبدالحق باری کا کام ہو جائے گا تو ٹھیک ہے میں وفاقی حکومت کو یہ خوشخبری
سنا دیتا ہوں۔ اتنا کہہ کر جمشید وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور نفاست شاہ کو سوچوں میں

غلطاں چھوڑ کر چلا گیا۔ نفاست شاہ بری طرح سے پھنس چکا تھا۔ ایک طرف وہ ایم۔ این۔ اے بننے کے خواب دیکھ رہا تھا دوسری طرف اس کی نازیبا ویڈیو جمشید کے پاس تھی اور تیسری طرف عبدالحق باری صاحب کا قتل اس کے ذمہ لگا تھا۔ حکم عدولی کی صورت میں وہ ایم این اے بھی نہیں بن سکتا تھا اس کی ساکھ، عزت، شان، مام و مرتبہ بھی داؤ پر لگا تھا، اب وہ کیا کرے یہی سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ پھر اس نے جمشید کی بات پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ نہ تو مرکزی حکومت سے بگاڑ سکتا تھا اور نہ ہی انٹیلی جنس بیورو کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر جمشید اختر سے کوئی پنگاہ لے سکتا تھا۔ اس نے اپنے دو قابل اعتماد بندوں قربان اور ماکھے کو بلایا اور ان کو سختی سے ہدایت کی کہ خاموشی سے عبدالحق باری کا قتل اس طرح سے کرنا ہے کہ کسی کو شک نہ ہو کہ یہ قتل نفاست شاہ نے کروایا ہے۔ لہٰذا وہ آج ہی یہاں سے نکل جائیں اور کل تک یہ کام ہو جانا چاہئے۔ نامراد اور ناکام واپس نہیں آنا، ہر حال میں عبدالحق باری صاحب کو ختم کرنا ہے تمہیں اس کا انعام بھی ملے گا۔ چنانچہ ماکھا اور قربان وہاں سے چلے گئے۔ ان کے پاس جدید ساخت کے جاپانی پسٹل تھے جن کے آگے سائلنسر لگے ہوئے تھے وہ رات تک اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں عبدالحق باری صاحب رہتے تھے۔ عبدالحق صاحب ایک پوش علاقے میں کرائے کے گھر میں رہتے تھے ان کے گھر کے ساتھ ایک جامع مسجد تھی جہاں وہ پانچ وقت کی اور تہجد کی نماز ادا کرتے تھے۔ ان کا ذریعہ معاش ان کی چند ایکڑ زرعی زمین تھی جو انہوں نے ٹھیکے پر دی ہوئی تھی جہاں سے سالانہ انہیں کچھ ہزار روپے مل جاتے تھے جن سے وہ اپنی اور اپنی فیملی کی کفالت کرتے تھے۔ ان کی اہلیہ بھی عالمہ تھیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی جو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم حاصل کر رہے تھے ان کا بیٹا نصیر الحق اور بیٹی دونوں حافظ قرآن تھے۔ عبدالحق باری صاحب اپنی جامع مسجد میں پانچ وقت نماز کی امامت کرواتے اور جمعہ کی نماز بھی پڑھاتے مگر اس خدمت کے عوض ایک روپیہ تک نہیں لیتے تھے ان کے نزدیک نماز

پڑھانے کے پیسے لینے جائز نہیں تھے وہ یہ خدمت فی سبیل اللہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کرتے تھے اور زندگی میں کبھی کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیا۔ ان کا اللہ کی ذات پر توکل تھا وہ صرف اپنے رب سے مانگتے تھے اور اللہ پاک ان کی ہر ضرورت پوری فرماتا تھا۔ قربان اور ماکھا رات تک ان کے علاقے میں پہنچ گئے تھے ان دونوں نے رات کہیں بسر کی اور فجر کی اذان کے وقت مسجد پہنچ گئے، حسب معمول مولانا ڈاکٹر عبدالحق باری اصحب مسجد تشریف لائے اور امامت کے مصلے پر کھڑے ہو گئے، آج ان کی زندگی کی آخری نماز تھی وہ پورے خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتے تھے آج انہوں نے نماز فجر کے دو فرضوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ یٰسین مبارکہ کی انتہائی رقت آمیز تلاوت فرمائی۔ نماز ادا کرنے کے بعد آیت الکرسی کی تلاوت کی اور پھر پوری امت مسلمہ کے لئے دعا فرمائی۔ ان کا معمول تھا کہ وہ نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے تو آج بھی وہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگے۔ نماز کے بعد ایک ایک کر کے سب نمازی چلے گئے اور مسجد خالی ہو گئی۔ قربان اور ماکھے نے ان کے پیچھے ہی نماز پڑھی انہوں نے چادریں اوڑھی ہوئی تھیں اور اپنی اپنی چادر سے اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے وہ دونوں ابھی مسجد میں بیٹھے تھے۔ مسجد کا موذن کسی کام سے باہر چلا گیا اب یہی وقت تھا کہ وہ دونوں اپنا کام کرتے۔ ان کا ذرا بھی دل نہیں تھا کہ وہ مولانا صاحب کو ماریں مگر ان کے آقا نفاست شاہ کا حکم تھا اگر وہ ان کو مارے بغیر چلے گئے تو نفاست شاہ نے انہیں اپنے خونخوار کتوں کے حوالے کر دینا تھا اور ان کتوں نے انکی تکہ بوٹی کر دینی تھی تو بادل نخواستہ وہ اٹھے اور اپنے اپنے پسٹل نکال لئے۔ عبدالحق باری صاحب قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے تو انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی فائر ان پر کئے۔ ان کے سر اور پیٹھ پر دل کے مقام پر گولیاں چلائیں۔ ان کے فائر سے صرف ٹھک ٹھک کی آوازیں آئیں۔ عبدالحق باری صاحب جن کے ہاتھوں میں قرآن پاک تھا جو انہوں نے اپنے سینے سے لگا لیا اور وہ خون میں نہا گئے اور اسی حالت

میں جام شہادت نوش فرما گئے۔قربان اور ماکھا جلدی سے مسجد سے باہر آئے اپنی
جوتیاں پہنیں اور وہاں سے فرار ہو گئے۔عبدالحق باری صاحب کو شہید کرتے انہیں کسی
نے نہیں دیکھا تھا وہ لاری اڈہ پر آئے اور رانی پور جانے والی ویگن میں سوار ہو گئے۔
پانچ منٹ کے بعد موذن جب مسجد میں آیا تو اس نے عبدالحق باری صاحب کو زمین پر
گرے ہوئے دیکھا ان کا جائے نماز خون آلود ہو چکا تھا اور وہ ابدی نیند سو چکے تھے۔
موذن یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا اور گھبرا گیا وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔پانچ منٹ کے بعد
جب اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے مسجد کا لاؤڈ اسپیکر آن کیا اور عبدالحق باری
صاحب کی شہادت کا اعلان کر دیا۔تھوڑی دیر کے بعد مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ہر
آنکھ اشکبار تھی کسی نے پولیس کو اطلاع کر دی تو دس منٹ کیب عد پولیس مسجد میں
آ گئی۔عبدالحق باری صاحب نے قرآن پاک جوان کے خون سے تر تھا اپنے سینے سے
چمٹایا ہوا تھا اور کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ایس ایچ او نے ان کے ہاتھوں سے
قرآن پاک نکالا اور ان کی لاش کو سیدھا کیا اور ابتدائی پوچھ گچھ شروع کر دی۔ان کی
لاش کو سب سے پہلے مسجد کے مؤذن نے دیکھا تھا۔ایس ایچ او نے اس سے تفصیل
پوچھی تو اس نے ساری بات بتا دی۔پولیس نے وہاں سے چلی ہوئی گولیوں کے خول
اکٹھے کئے اور لاش پوسٹ مارٹم کے لئے سول ہسپتال بھجوا دی۔ایک گھنٹے کے بعد
پورے ملک میں عبدالحق باری صاحب کی وفات کی خبر پھیل گئی۔پی ٹی وی نے بریکنگ
نیوز نشر کی۔ایک گھنٹے کے بعد قربان اور ماکھا نفاست شاہ کے پاس پہنچ گئے ان کے
آنے سے پہلے نفاست شاہ کو باری صاحب کو موت کی اطلاع ہو گئی تھی وہ اندر سے
بہت مغموم اور پریشان تھا کہ یہ کیسا کام وفاقی حکومت نے اس سے کروایا ہے اس نے
قربان اور ماکھے کو کچھ دنوں کے لئے زیر زمین بھیج دیا۔اب اتفاق سے عبدالحق باری
صاحب کے قتل کا کوئی چشم دید گواہ نہ تھا۔پولیس تندہی سے تفتیش کر رہی تھی مگر اسے کوئی
سراغ نہیں مل رہا تھا۔عبدالحق باری صاحب کی میت پوسٹ مارٹم کے بعد ورثاء کے

حوالے کر دی گئی تھی اور بعد نماز عصر ان کے جنازے اور تدفین کا وقت مقرر ہوا۔
پورے ملک میں سوگ کی فضا طاری ہو گئی ان کے چاہنے والے ان کے پرستار رو رہے
تھے اور حکومت سے مطالبہ کر رہے تھے کہ ان کے قاتلوں کو جلد از جلد گرفتار کر کے انہیں
کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔عصر کے وقت عبدالحق باری صاحب کا جنازہ اٹھایا گیا اور
مرکزی عید گاہ میں لے جایا گیا جہاں ان کے پرستار ان کا آخری دیدار کر رہے تھے۔
نماز عصر کے بعد ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً ڈیڑھ
لاکھ مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھی ان کے جنازے میں ایم این اے، ایم پی ایز شہر کی
سرکردہ شخصیات جن میں سیاسی، سماجی اور کاروباری شخصیات نے شرکت کی۔نفاست
شاہ بھی جنازے میں شریک ہوا اور باری صاحب کے بیٹے کو پُرسہ دیا۔یہ منافقت کی
بہت بڑی مثال تھی خود ہی ان کو شہید کروایا اور خود ہی ان کے جنازے میں بھی پہنچ گیا
اور ان کے ورثاء سے تعزیت کرنے لگا۔

زرغم آٹھ بجے ضلع خیر آباد پہنچ گیا اور سیدھا ڈی پی او صاحب کے آفس گیا۔ڈی
پی او صاحب کو اس نے سیلوٹ کیا اور اپنی آمد کا مقصد بتایا تو انہوں نے اسے ویلکم کیا۔
زرغم نے رانی پور میں ہونے والی دہشت گردی کی واردات کی تفصیلات معلوم کیں اور
ڈی پی او صاحب سے گزارش کی کہ فی الحال اس کی رانی پور پوسٹنگ اور آمد کو خفیہ رکھا
جائے وہ سول ڈریس میں خود تحقیقات کرنا چاہتا ہے۔آئی۔جی صاحب نے صرف
پندرہ دن کا ٹائم دیا ہے اور وہ انہی دنوں میں دہشت گردی کے مجرموں تک پہنچنا چاہتا
ہے تو مجھے جو بھی ہیلپ کی ضرورت ہو گی پلیز آپ مجھے وہ ہیلپ دیں گے۔ڈی پی او
صاحب نے کہا بالکل زرغم تمہیں جس چیز کی بھی ضرورت ہو گی جو بھی مدد درکار ہو گی تم
مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے تو زرغم بولا بہت شکریہ سر بس میری کوشش ہو گی کہ جلد از جلد
مجرموں تک پہنچ سکوں۔ڈی پی او صاحب نے اسے اپنا ذاتی فون نمبر دیا اور کہا کہ جب
بھی میری مدد کی ضرورت ہو تو بلا جھجک اس نمبر پر فون کر لینا۔زرغم نے کہا سر بغیر

یونیفارم اور پولیس فورس کے تحقیقات کرنا ہے تو بہت عجیب مگر مجھے امید ہے کہ اس طریقہ سے میں جلداز جلد مجرمان تک پہنچ جاؤں گا۔ تو ڈی پی او صاحب نے کہا انشاء اللہ۔ زرغم کو خیال آیا کہ جن موٹر سائیکلوں کے ذریعے دہشت گردی ہوئی ہے وہ چوری بھی ہو سکتے ہیں چنانچہ اس نے تمام پولیس اسٹیشنوں سے چوری ہونے والے موٹر سائیکلز کی تفصیل مانگی تو تھانے والوں نے بتایا کہ پچھلا پورا مہینہ کوئی موٹر سائیکل چوری نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی چوری کی ایف آئی آر درج ہوئی ہے۔ اب اس نے ان دونوں موٹر سائیکلز کے ڈھانچے دیکھے جو جل کر راکھ ہو چکے تھے مگر ان کے انجن اور فریم بہت خستہ حالت میں تھے جن سے صرف اتنا پتہ چلا تھا کہ وہ موٹر سائیکل کس کمپنی کے ہیں۔
پھر اس نے جائے واردات کا معائنہ کیا مگر وہاں سے بھی اسے کچھ نہ ملا پھر وہ شہر کی موٹر سائیکل مارکیٹ گیا اور ایک ایک شوروم سے فروخت ہونے والے موٹر سائیکلوں کی تفصیل معلوم کی وہ تمام فروخت شدہ موٹر سائیکل زیادہ پرانے نہیں ہیں اور ان کے مالکان کے پاس موجود ہیں۔ اب زرغم سوچ میں پڑ گیا کہ وہ موٹر سائیکل کدھر سے آئے تھے یقیناً وہ موٹر سائیکل صرف اور صرف دہشت گردی کے لئے ہی لائے گئے تھے۔ پھر زرغم کباڑ خانے گیا اور وہاں ایک ایک کباڑیے سے پوچھا تو ایک بزرگ کباڑیے نے بتایا کہ آٹھ دس دن پہلے دو بندے آئے تھے اور انہوں نے وہ دونوں موٹر سائیکل اس سے خریدے تھے موٹر سائیکل بالکل کباڑ حالت میں تھے انہوں نے کہا تھا کہ وہ دونوں مکینک ہیں اور ان میں سے کچھ پرزے نکال کر دوسرے موٹر سائیکلوں میں ڈالنے ہیں تو وہ آٹھ ہزار روپے میں ان کو فروخت کر دیئے تھے۔ زرغم نے پوچھا بزرگوان کے کچھ حلئے یاد ہیں آپ کو؟ تو ان بزرگ نے بتایا کہ ایک کے چہرے پر داڑھی تھی چھوٹی چھوٹی دھنسی ہوئی آنکھیں تھیں رنگ سانولا تھا اور اس نے اپنے ایک کان میں چھوٹی سی بالی ڈالی ہوئی تھی جبکہ دوسرے بندے کا رنگ گندمی تھا اور وہ کلین شیو تھا اس کی ناک کے قریب ایک چھوٹا سا سیاہ مسّہ تھا اس کا ماتھا چوڑا تھا اور سر کے

بال تھوڑے لمبے تھے۔ اس سے زیادہ وہ بزرگ کچھ نہ بتا سکے۔ زرغم فوری طور پر ڈی پی او صاحب سے ملا اور ان سے درخواست کی کہ فوری طور پر کسی آرٹسٹ کا بندوبست کیا جائے، پھر انہیں ساری تفصیل بتائی تو ایک گھنٹے کے بعد آرٹسٹ آ گیا زرغم اسے لے کر ان بزرگ کے پاس دوبارہ گیا تو دو گھنٹے کے اندر اسکیچ تیار ہو گئے تو ان بزرگ نے تصدیق کی کہ وہ دونوں بالکل ایسے ہی تھے۔ زرغم وہ اسکیچ لے کر ڈی پی او صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے سارے پولیس اسٹیشنوں کے ایس ایچ او صاحبان کو بلایا اور انہیں وہ اسکیچ دکھائے تو اگلے روز انہوں نے رپورٹ دی کہ اس حلئے کے مجرموں کی ہسٹری ان کے تھانوں میں نہیں ہے۔ ان اسکیچ کی ایک ایک کاپی ہر پولیس اسٹیشن کو دے دی گئی اور ڈی پی او صاحب نے ہدایت کی کہ اپنے اِردگرد کڑی نگاہ رکھیں اور ان حلیوں سے ملتے جلتے افراد کو فوراً گرفتار کریں، لاری اڈہ، ریلوے اسٹیشن اور بازاروں میں پولیس کے اہلکار سول ڈریس میں گھومتے پھرتے رہیں اور ہر آنے جانے والے پر نظر رکھیں زرغم نے پورا ہفتہ مصروفیت میں گزارا اب وہ تھوڑا سا ریلیکس ہوا تو اس نے سوچا کہ عام سائل کی حیثیت سے پولیس اسٹیشنوں کا وزٹ کرے اس نے سر پر ایک پی کیپ پہنی آنکھوں پر چشمہ لگایا اور رانی پور تھانے جا پہنچا۔ زرغم کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ رفیق محرر کی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ زرغم نے اسے سلام کیا مگر رفیق نے اکڑ میں جواب نہ دیا اور غم سے پوچھا ہاں بھئی کیا مسئلہ ہے؟ تو زرغم بولا جناب میں سنار کا کام کرتا ہوں گھر میں بیٹھ کر زیورات بناتا ہوں تو کل میرے گھر سے آٹھ لاکھ روپے کی مالیت کا سونا چوری ہو گیا ہے جس کی ایف۔ آئی۔ آر درج کروانے آیا ہوں۔ یہ سن کر رفیق نے الٹے سیدھے سوال پوچھنے شروع کر دیئے۔ زرگم نے اس کے ہر سوال کا جواب دیا اور بالآخر وہ اپنے مدعے پر آ گیا اور ایف۔ آئی۔ آر کے اندراج کے لئے پچیس ہزار روپے رشوت طلب کی تو زرغم نے بتایا کہ پچیس ہزار روپے تو اس کے پاس نہیں ہیں جس پر رفیق بڑھک اُٹھا اور بولا تھانے میں خالی جیب منہ اٹھا کر آ جاتے ہو یہ تھانہ ہے

تمہارے باپ کا ڈیرہ نہیں ہے۔تو زرغم بولا میرے باپ تک نہ جائیں۔آپ پبلک سرونٹ ہیں۔ایف آئی آر درج کروانے کی گورنمنٹ نے کوئی فیس نہیں رکھی ہے یہ تو آپ رشوت مانگ رہے ہیں میرا پہلے ہی اٹھ لاکھ کا نقصان ہو گیا ہے اوپر سے آپ پیسے مانگ رہے ہیں۔رفیق نے چھڑی کو زور سے میز پر مارا اور بولا بکواس بند کرواپنی اور جاؤ یہاں سے جب تمہارے پاس پیسے ہوں تو آنا ورنہ میں تمہیں بھی حوالات میں بند کردوں گا اب اٹھو اور دفع ہو جاؤ۔زرغم کو غصہ تو بہت آیا مگر اس نے ضبط کیا وہ وہاں سے اٹھ کر باہر آیا اور ایک کانسٹیبل سے بات کی تو وہ بولا رفیق صاحب ہمارے بہت سخت افسر ہیں پیسے کے بغیر کسی کا کام نہیں کرتے جتنے پیسے انہوں نے بتائے ہیں وہ آپ لے آئیں تو آپ کی فوراً ایف آئی درج ہو جائے گی۔یہ سن کر زرغم تھانے سے باہر آیا اور سوچ میں پڑ گیا کہ پولیس اسٹیشنوں میں عام شہریوں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے یہ تو انسانیت کی تذلیل ہے اور زیادتی ہے اس نے ساری صورتحال ٹیلی فون پر ڈی پی او صاحب کو بتائی تو انہوں نے کہا زرغم تم یونیفارم پہن کر میرے آفس آؤ۔پھر انہوں نے رانی پور کے تھانے میں ایس ایچ او کو کال کی کہ رفیق کو لے کر فوراً میرے آفس آؤ۔آدھے گھنٹے کے بعد زرغم یونیفارم پہن کر ڈی پی او صاحب کے آفس پہنچ گیا۔اور تھوڑی دیر کے بعد ایس ایچ او رفیق بھی وہاں آ گئے۔زرغم کو اے ایس پی کے یونیفارم میں دیکھ کر رفیق کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے وہ پریشان ہو گیا اس نے پہلے ڈی پی او صاحب کو سیلوٹ کیا پھر زرغم کو اور مودب ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ڈی پی او صاحب نے ایس ایچ او سے سوال کیا یہ کس قسم کے بندے آپ نے لگائے ہوئے ہیں جو ہر آنے والے سے سر عام رشوت مانگتے ہیں۔سر میرے علم میں نہیں ہے۔ وہاٹ......؟تم کیسے ایس ایچ او ہو جو تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے پولیس اسٹیشن میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے تمہاری جواب طلبی ہو گی۔اس رفیق کو تو میں ابھی معطل کر رہا ہوں۔ یہ زرغم نیا اے ایس پی ہے اور آج ہی سے یہ چارج لے رہے ہیں مسٹر رفیق تمہاری

پہلے بھی بہت شکایات ہیں مگر تمہارے خلاف یہ شکایت بہت سخت ہے تم نے اے ایس پی سے پچیس ہزار روپے رشوت طلب کی ہے تو تمہارے خلاف ایکشن ہو گا اور تمہیں اس کی سزا ملے گی تم جیسی کالی بھیڑوں نے پولیس کو بدنام کیا ہوا ہے تم جیسے لوگوں کی غفلت سے ہی اتنی بڑی دہشت گردی کی واردات ہوئی ہے۔اوکے اب تم لگ جاؤ تو ایس ایچ او اور رفیق ڈی پی او صاحب کے آفس سے چلے گئے اور اسی دن زرغم نے اپنے عہدے کا چارج لے لیا پھر اس نے اپنے انڈر تمام تھانوں کے ایس ایچ اوز کو بلایا اور سختی سے ہدایت کی کہ کوئی رشوت نہیں لے گا۔کوئی اہلکار غفلت لاپرواہی نہیں کرے سب ایمانداری اور دیانت داری سے اپنی ڈیوٹی کریں گے۔پھر اس نے رفیق کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو اسے پتہ چلا کہ ایم پی اے نفاست شاہ نے اسے بھرتی کروایا ہے یہ اس کا خاص بندہ ہے اور اسی کی ایما پر یہ بدمعاشی کرتا ہے یہ سن کر زرغم گہری سوچ میں ڈوب گیا اور اس نے نفاست شاہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔بتانے والے نے نفاست شاہ کا سارا کچہ چھٹہ بیان کر دیا تو زرغم نے اس سے ملنے کا فیصلہ کیا مگر ایک عام آدمی کی حیثیت سے۔شام کو اس نے دیہاتی لباس پہنا ایک چادر کی بُکّل ماری اور نفاست شاہ کے ڈیرے پر پہنچ گیا جہاں کافی لوگ اکٹھے تھے۔ نفاشت ساہ شکل سے ہی بدمعاش لگتا تھا اور راجہ اندر بنا ہوا بڑے تکبر اور غرور سے بیٹھا لوگوں کی مختلف شکایات اور ان کے کام سن رہا تھا زیادہ تر وہ لوگوں کو ٹرخا رہا تھا جھوٹے وعدے اور تسلیاں دے رہا تھا۔اس کے سامنے ایک ٹیلی فون پڑا ہوا تھا اس کا پی۔اے متعلقہ محکمہ کے افسر کا نمبر اسے ملا کر دیتا تو وہ اس سے بات کرتا۔

آج روی کمار، اروپ گیت اور ارون ورما بہت خوش تھے کیونکہ مولانا عبدالحق باری صاحب کو شہید کر دیا گیا تھا ان کی شہادت کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔وہ تینوں اس بات پر خوش تھے کہ انہوں نے کچھ نہیں کیا اور اپنوں کے ہاتھوں اپنے ہی بندے کو مروا دیا ان کے قتل کا الزام بھی ان پر نہیں آیا اور ان کا کام بھی ہو گیا

تھا۔ دہلی سے انہیں بھرپور شاباش ملی راوالے بھی خوش تھے کہ ان کے جاسوس پاکستان میں اپنا کام بہت اچھی طرح سے کر رہے ہیں۔ روی کمار المعروف جمشید اختر کہنے لگا کہ وہ آج ہی نفاست شاہ سے ملے گا اس کا شکریہ ادا کرے گا اور اسے ایم این اے بننے کی خوشخبری سنائے گا اب را کی ہدایات کے مطابق ان کا اگلا پلان یہ ہے دو ماہ کے بعد محرم کا مہینہ آ رہا ہے، اس مہینے میں اہل تشیع مجالس منعقد کرواتے ہیں اور جلوس نکالتے ہیں تو کسی طرح ان کی امام بارگاہ میں داخل ہونا ہے اور وہاں بم لگانے ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ بندے مارے جائیں ملک میں انارکی پھیل جائے ہر طرف خوف اور دہشت ہو ان مسلمانوں کو الگ وطن حاصل کرنے کا سبق سکھانا ہے ان کے آباؤ اجداد نے لمبی حکومت کی تھی ہمارے بڑوں کی کوشش تھی کہ انگریز برصغیر سے چلے جائیں ہندو اکثریت میں ہیں تو پورے ہندوستان میں ہندوؤں کی حکومت ہو گی اور وہ چن چن کر ان مسلمانوں سے بدلے لیں گے مگر انہوں نے پاکستان کا مطالبہ کر دیا اور بالآخر پاکستان لے ہی لیا مگر ہم انہیں معاشی اور سماجی طور پر اتنا کمزور کر دیں گے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ خود ہی کہہ اٹھیں کہ ہمارا پاکستان کا مطالبہ غلط تھا۔ ہمارے منصوبے کے مطابق مشرقی پاکستان ان سے جدا ہو گیا اور بنگلہ دیش بن گیا۔ اب را کی یہ بھرپور کوشش ہے کہ پاکستان کے چار صوبے ہیں اب ان کو توڑنا ہے اور اس طرح توڑنا ہے کہ دنیا کے نقشے سے پاکستان کا وجود مٹ جائے۔ میں آج شام کو نفاست شاہ سے ملنے جاؤں گا اور اُسی کی معرفت پہلے کی طرح دھماکہ خیز مواد حاصل کروں گا اور ان دو ماہ میں ہم بم تیار کریں گے اور پھر کالے کپڑے پہن کر شیعہ بن کر ان کی مجالس میں اور جلوسوں میں شرکت کریں گے اور ان کی سب سے بڑی اور مرکزی امام بارگاہ میں کسی طرح نصب کر کے خوفناک دھماکہ کریں گے کہ ان کی حکومت ہل جائے۔ جیسا کہ نفاست شاہ کو علم ہے کہ میں اسلام آباد سے آتا ہوں تو دو یا تین دن کے لئے میں اس کے پاس ہی رُک جاؤں گا آپ دونوں اسی گھر میں رہو گے اور غیر ضروری طور پر گھر

سے باہر نہیں نکلو گے میں دو تین دن کے بعد واپس آ جاؤں گا اور پھر اگلا لائحہ عمل بنائیں گے۔ جمشید اختر کا حلیہ یہ تھا اس کا رنگ گندمی تھا اس کے بال گھنگھریالے تھے وہ کلین شیو کرتا تھا اس کا ماتھا چوڑا تھا اور ناک کے قریب ایک چھوٹا سا سیاہ مسّہ قدرتی تھا۔ اس نے رے بین کی عینک لگائی پینٹ شرٹ پہنی اور نفاست شاہ کے ڈیرے کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں پہنچ گیا۔ زرغم بھی عام شہریوں کی طرح وہاں بیٹھا تھا۔ جمشید اختر جب نفاست شاہ سے ملا تو وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر بڑے پروٹوکول سے اس سے ملا۔ زرغم کی نگاہیں اس پر جم گئیں وہ حیرانگی سے جمشید کو دیکھ رہا تھا یہ تو ان بزرگ کے بتائے ہوئے حلیے کا شخص ہے جس کا اسکیچ اس نے آرٹسٹ سے بنوایا تھا۔ زرغم کا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ یہ وہی شخص ہے۔ زرغم چپکے سے اٹھا اور حویلی کے باہر آ گیا اس نے اپنی پاکٹ سے چھوٹا وائرلیس سیٹ نکالا اور ڈی پی او صاحب کو وائرلیس پر بتایا کہ اسکیچ کے مطابق حلیہ والا بندہ نفاست شاہ کے ڈیرے پر موجود ہے تو آپ فوری طور پر چار پولیس کمانڈوز بھیجیں میں وہیں پر انتظار کرتا ہوں، ڈی پی او صاحب نے کہا بس چالیس منٹ تک کمانڈوز وہاں پہنچ جائیں گے، تو زرغم بولا او کے سر میں اس بندے پر نظر رکھتا ہوں، تو زرغم واپس حویلی کے اندر پہنچ گیا اور جمشید کو اپنی نظر میں رکھا۔ جمشید ہنس ہنس کر نفاست شاہ سے باتیں کر رہا تھا۔ نفاست شاہ نے اس کے آگے کھانے پینے کے لوازمات کے ڈھیر لگا رکھے تھے جن سے وہ پورا انصاف کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ اسے خوشخبری سنا رہا تھا کہ آئندہ ہونے والے الیکشن میں وہ ایم این اے اور منسٹر بنے گا۔ وزیر اعظم نے اس کا خصوصی شکریہ ادا کیا ہے اب آپ کو وفاقی حکومت سے خفیہ فنڈ ملے گا۔ یہ بات سن کر نفاست شاہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا سر آپ مجھے تھوڑا ٹائم دیں میں ذرا سائلین ے فارغ ہو جاؤں پھر آپ سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنی ہیں۔ تو جمشید بولا بالکل بالکل آپ فارغ ہو لیں مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ یہ سن کر نفاست شاہ آنے والے لوگوں کی باتیں سننے لگا۔ جمشید اختر نے جب چائے پانی پی لیا تو وہ سگریٹ پینے

کے لئے وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور حویلی سے باہر آ گیا۔ زرغم بھی خاموشی سے اٹھ کرا
س کے پیچھے آ گیا۔ جمشید نے اپنی پاکٹ سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور اس میں سے
ایک سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔ جب اس نے سگریٹ پی لیا اور اندر جانے کے لئے جیسے
ہی مڑا تو زرغم ایک دم آگے بڑھا اور اسے سلام کیا۔ جمشید نے حیرانگی سے اس کی طرف
دیکھا اور پوچھا کہ تم کون ہو......؟ تو زرغم بولا سر میں ایک سرکاری ٹیچر ہوں اور میرا
تبادلہ یہاں سے دوسو کلومیٹر دور ایک علاقے میں ہو گیا ہے۔ سر جی لگتا ہے آپ کا خاص
تعلق ہے شاہ جی سرکار سے تو آپ سے درخواست ہے کہ شاہ جی سے کہہ کر میرا تبادلہ
رکوا دیں میں بہت پریشان ہوں میری بیوی بھی بہت بیمار ہے تو میں اسے اس حال میں
چھوڑ کر وہاں نہیں جاسکتا تو آپ میرا کام کروا دیں آپ کو بہت دعائیں دوں گا۔ تو
جمشید بولا اچھا اچھا ٹھیک ہے کیا نام ہے تمہارا......؟ جی سر میرا نام مشتاق ہے اور میاں
یہاں ہائی اسکول میں ٹیچر تھا مگر اب میرا تبادلہ بہت دور ہادی پورہ میں ہو گیا ہے۔
او کے او کے چلو آؤ میرے ساتھ شاہ جی سے بات کرتے ہیں۔ اتنی دیر میں چار پولیس
کمانڈوز وہاں پہنچ گئے تو ان چاروں نے ریوالور نکال لئے۔ زرغم نے آگے بڑھ کر
جمشید کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی اور بولا اگر خیریت چاہتے ہو تو خاموشی سے اس گاڑی
میں بیٹھ جاؤ چلو جلدی کرو۔ جمشید کے فرار ہونے والے راستے بند ہو چکے تھے وہ پانچ
پولیس والوں کے نرغے میں تھا۔ اب گاڑی میں بیٹھے بنا کوئی چارہ نہیں تھا تو وہ بادل
نخواستہ گاڑی میں بیٹھ گیا اور اگلے ہی لمحے گاڑی چل پڑی گاڑی فراٹے بھرتی جارہی
تھی۔ جمشید نے ایک دو بار پوچھنے کی کوشش کی کہ وہ کون ہیں اور اس کو لے کر کدھر
جارہے ہیں؟ مگر پولیس کمانڈوز نے کہا چپ کر کے بیٹھے رہو ابھی تھوڑی دیر میں تمہیں
پتہ چل جائے گا۔ کوئی پچیس منٹ کے بعد وہ گاڑی رانی پور کے پولیس اسٹیشن میں
داخل ہوئی وہ چاروں کمانڈوز جمشید کو لے کر تھانے میں بنے ایک لاک اپ میں لے
گئے۔ زرغم نے آرڈر دیا اور اس کی تلاشی لو۔ اگلے دو سے تین منٹ میں اس کی پوری

تلاشی لی گئی تو اس سے ایک مردانہ پرس، کچھ وزیٹنگ، ایک رومال اور راومیگا ساخت کی
گھڑی اور سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر برآمد ہوا، زرغم نے تمام چیزوں کا بغور معائنہ کیا اور
پھر اپنے اہلکار بھیج کر اس بزرگ کباڑیے کو بلایا، جب کباڑیے نے اسے دیکھا تو فوراً
پہچان لیا اور بولا جی جی صاحب یہی بندہ تھا اور اس کے ساتھ ایک اور بندہ بھی تھا ان
دونوں نے مجھ سے کھٹارا دو موٹر سائیکل خریدے تھے۔ اچھا تو اگر اس کا دوسرا ساتھی بھی
آ جائے تو آپ اسے پہچان لیں گے؟ جی بالکل پہچان سکتا ہوں تو زرغم نے ان بزرگ
کا شکریہ ادا کیا اور بولا ٹھیک ہے۔ جب آپ کی ضرورت محسوس ہوگی تو دوبارہ آپ کو
بلائیں گے۔ اس کے بعد وہ بزرگ وہاں سے چلے گئے۔ اب زرغم نے جمشید سے سوال
جواب شروع کر دیئے مگر وہ انکاری رہا۔ پورے دو گھنٹے سر کھپانے کے باوجود بھی اس
نے اپنا جرم قبول نہ کیا تو زرغم نے اپنے اہلکاروں سے کہا اسے چوبیس گھنٹے کھڑا رکھیں نہ
اسے کھانے پینے کی چیزیں دیں اور نہ ہی اسے سونے دیں۔ جمشید کے ہاتھ پیچھے کر کے
باندھ دیئے گئے اور اسے ساری رات کھڑا رکھا گیا جس سے جمشید نڈھال ہو گیا۔ اگلے
دن زرغم نے اس سے پھر پوچھا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اب زرغم نے اسے تھرڈ ڈگری
دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایک موٹی سوئی والی سرنج منگوائی اور اس سرنج سے جمشید
کے ناک میں سوراخ کیا جمشید تکلیف سے تڑپ اٹھا اور شور کرنے لگا۔ زرغم نے اس
کے چہرے پر تین چار تھپڑ لگائے اور اسے خاموش کروایا۔ پھر اس کی ناک میں نکیل
ڈال کر رسی کو چھت پر لگے ایک کنڈے میں ڈال کر جمشید کے جوتے اتروا دیئے اور اس
کو کہا کہ پنجوں کے بل کھڑا ہو جا۔ اب اس کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور وہ
پنجوں کے بل کھڑا تھا۔ زرغم نے رسی کو کھینچا ہوا تھا۔ اب وہ ذرا بھی نیچے ہوتا تو اس کے
ناک پر کھینچ پڑتی اور تکلیف سے بلبلا اٹھتا۔ تقریباً دس منٹ تک اس نے برداشت کیا
اب اس کی ہمت جواب دے گئی تو وہ بول اٹھا کہ دہشت گردی کی واردات اس نے ہی
کی تھی۔ زرغم نے رسی ڈھیلی کر دی اور اس کے ناک سے نکیل نکال دیا اور اسے بٹھا دیا۔

پھر ایک پلاس منگوا کر اس کے داہنے ہاتھ کی انگلی کے ناخن کو پلاس سے پکڑ کر کھینچا تو وہ درد سے تلملا اٹھا۔ زرغم نے اس سے کہا میرے اک ایک سوال کا سچ سچ جواب دو ورنہ تمہاری ساری انگلیوں کے ناخن کھینچ لوں گا تو جمشید بولا جی سچ بولوں گا۔ زرغم نے اس سے پوچھا تم کون ہے اور تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟ تو جمشید نے فر فر بولنا شروع کر دیا اور اپنی اصلیت بتا دی جسے سن کر زرغم حیران رہ گیا پھر اس نے اس کا ایڈریس پوچھا تو اس نے بتا دیا اور مزید بتایا کہ وہاں دو اور بندے ہیں جن کے مسلمان والے نام منظور اور غلام قادر ہیں۔ روی کمار نے اپنے باس شفیع کا بتایا کہ اس کا اصل نام ہری داس ہے جو مغل پورہ لاہور کے فلاں ڈگری کالج میں پیون ہے اور اس کی رہائشی بھی کالج کے اندر بنے ایک کوارٹر میں ہے جہاں وہ رہتا ہے۔ ہری داس ہی انہیں ساری ہدایات دیتا ہے۔ اگلے ہی لمحے زرغم نے ٹیلی فون پر آئی۔ جی صاحب کو بتایا کہ اس نے دہشت گردی میں ملوث ایک مجرم کو پکڑ لیا اور اس نے اپنا جرم قبول کر لیا ہے اور اس ساتھ ہی شفیع المعروف ہری داس کا بتایا کہ وہ مغل پورہ کالج میں چپڑاسی ہے تو آپ اُسے فوراً جمشید اختر، منظور اور غلام قادر کے حوالے سے گرفتار کروائیں کیونکہ یہ سب بھارت کی دہشت گرد تنظیم ''را'' کے ایجنٹ ہیں اور پاکستان میں وارداتیں کر رہے ہیں۔ آئی۔ جی صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے انہیں زرغم کی صلاحیتوں پر بھروسہ تھا اور وہ ان کے بھروسے پر پورا اترا تھا۔ آئی جی صاحب نے فوراً پولیس کمانڈوز کو مغل پورہ کے ڈگری کالج میں روانہ کیا جنہوں نے آدھے گھنٹے کے اندر ہی شفیع المعروف ہری داس کو حراست میں لے لیا۔ ادھر زرغم نے پولیس کمانڈوز ساتھ لئے اور روی کمار کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچ گئے۔ زرغم اور پولیس کمانڈوز سول کپڑوں میں تھے۔ ایک کمانڈو نے دروازے پر دستک دی تو منظور نے دروازہ کھولا زرغم نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور ہاتھ ملایا اور بتایا کہ وہ نفاست شاہ کا خاص آدمی ہے تو جمشید اختر صاحب اور نفاست شاہ صاحب نے منظور اور غلام قادر کو اپنی حویلی پر بلایا ہے تو ہم

انہیں لینے آئے ہیں، دراصل جمشید صاحب بہت مصروف ہیں اس لئے وہ نہیں آ سکے تو آپ ہمارے ساتھ چلئے، منظور نے غلام قادر کو آواز دی تو ایک منٹ میں وہ بھی آ گیا۔ منظور نے بتایا کہ یہ شاہ جی کے بندے ہیں تو بھائی جمشید اور شاہ جی نے انہیں بلایا ہے۔ تو زرغم بولا جی بالکل تو اپ ہمارے ساتھ آئیں۔ ان دونوں نے گھر کو لاک کیا اور زرغم کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ منظور نے پوچھا کس لئے ہمیں بلایا ہے؟ تو زرغم بولا جی ہم تو شاہ جی کے نوکر ہیں حکم کے غلام ہیں اب جمشید اختر صاحب نے اور شاہ جی سرکار نے ہمیں حکم دیا کہ آپ دونوں کو بلا لائیں اور آپ کے گھر کا ایڈریس بھی جمشید صاحب نے دیا تو جناب ہم حکم کی تعمیل کرنے آ گئے۔ گاڑی بہت تیزی سے رانی پور کے پولیس اسٹیشن کی طرف بڑھ رہی تھی اور آدھے گھنٹے کے بعد وہ وہاں پہنچ گئے۔ پولیس کمانڈوز نے ان دونوں کو بازوؤں سے پکڑا اور لاک اپ میں ڈال دیا، تھوڑی دیر کے بعد زرغم نے یونیفارم پہنا اور ان دونوں کے پاس پہنچ گیا وہ دونوں حیران پریشان زرغم کی طرف دیکھ رہے تھے تو زرغم بولا مسٹر منظور اروپ گپتا اور مسٹر غلام قادر ارون ورماتم دونوں کا ساتھی جمشید اختر روی کمار ہماری حراست میں ہے اور اس نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے اور تمہارے باس شفیع ہری داس کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔ اب جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ سب کچھ سچ سچ بتا دو۔ ورنہ تمہارے منہ سے سچ اگلوانے کے بہت طریقے ہیں۔ پھر زرغم نے ہتھکڑیوں میں جکڑے روی کمار کو دکھایا اور کہا یہ سارے اپنے جرائم قبول کر چکا ہے اور تم دونوں اور تمہارا باس ان جرائم میں شامل ہو تو اب شروع ہو جاؤ۔ شام تک ان تینوں کے تفصیلی بیان زرغم نے لکھ بھی لئے اور ٹیپ ریکارڈ بھی کر لئے۔ رات تک پولیس پارٹی ہری داس کو بھی لے آئی اس کا بیان بھی زرغم نے قلم بند کر لیا۔ آئی جی صاحب نے وفاقی حکومت کو رانی پور میں ہونے والی دہشت گردی میں ملوث ملزمان کی گرفتاری کی خبر سنا دی۔ پی ٹی وی پر ملزمان کی گرفتاری کی بریکنگ نیوز جاری کر دی گئی اور رات نو بجے

نشر ہونے والے خبر نامہ میں بھی یہ خبر پورے ملک میں پھیل گئی۔خبر میں بتایا گیا کہ رانی پور میں تعینات ہونے والے نئے اے ایس پی نے کمال ذہانت اور دلیری سے ملزمان کا سراغ لگا کر انہیں گرفتار کیا ہے۔صدر پاکستان، وزیر اعظم اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے زرغم کو خصوصی مبارکباد دی اسے بہت سراہا اور زرغم کے لئے خصوصی انعام کا اعلان بھی کیا۔وزیر اعظم کی طرف سے آئی جی پنجاب کو ہدایت دی گئی کہ ملزمان کا تعلق بھارت کی خفیہ تنظیم ''را'' سے ہے اور گرفتار ملزمان ہندو ہیں تو ان چاروں کو پاک آرمی کے حوالے کر دیا جائے جن سے وہ اپنے طور پر خاص تفتیش کریں گے اور ان جاسوسوں کے خلاف فوجی عدالت میں ان کے مقدمے کی سماعت ہوگی۔آئی جی صاحب نے فوراً ڈی پی او ضلع خیر آباد کو ہدایت کی کہ ملزمان کو پاک آرمی کے حوالے کرنے کے انتظامات کئے جائیں۔رات کے گیارہ بجے پاک آرمی کا چاک و چوبند عملہ جس کی سربراہی ایک بریگیڈیئر صاحب کر رہے تھے وہ پولیس اسٹیشن رانی پور آئے اور ایک بکتر بند گاڑی میں ان چاروں ملزمان کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔ہری داس کے کوارٹر اور روی کمار کے گھر کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے وائرلیس اور ریڈیو ٹرانسمیٹر، مختلف علاقوں کے نقشہ جات وغیرہ ملے، پاک آرمی کے کمانڈوز نے وہ ساری چیزیں اپنے قبضہ میں لے لیں اور ان مجرموں سے تفتیش شروع کر دی۔

ٹی۔وی پر چاروں ملزمان جن کی گرفتاری کا سہرا زرغم کے سر پر تھا کی خبر لائبہ نے بھی دیکھی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے فوراً اپنے رب کی بارگاہ میں شکرانے کے نوافل ادا کئے یہ زرگم پر اللہ کا خاص کرم تھا جو وہ اپنی نوکری کے پہلے کیس میں سرخرو ہوا، پورے ملک میں اس کی واہ واہ ہو رہی تھی اخبارات میں اس پر کالم اور فیچر لکھے جا رہے تھے۔ٹی وی پر یہ خبر سیٹھ کامران لاشاری نے بھی دیکھی تھی مگر وہ اپنی انا کے ہاتھوں مجبور تھے وہ یہ جانتے تھے کہ اس دنیا میں دولت اور پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہے، عزت اور ذلت کا اختیار صرف اور صرف

اللہ کے پاس ہے وہ پاک ذات جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔
زرغم جوان کا داماد تھا اس کو عزت اللہ نے دی تھی مگر انہوں نے پلٹ کر نہ اپنی بیٹی کی خبر لی اور نہ ہی داماد کی وہ اپنی انا کے خول میں بند تھے۔آئی جی صاحب نے اگلے روز زرغم کو لاہور اپنے آفس میں بلایا تھا چنانچہ زرغم صبح کے دس بجے آ گیا۔جی صاحب کے آفس میں پہنچ گیا۔آئی جی صاحب نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر اسے ویلکم کیا اور آفس ڈیکورم سے ہٹ کر اسے گلے لگایا اور خوب شاباش دی اور ساتھ ہی اسے حوصلہ افزائی اور اچھی پرفارمنس کی سند عنایت کی اور اسے بتایا کہ شام چار بجے وزیر اعلیٰ ہاؤس میں اس کے اعزاز میں ایک تقریب ہے جس میں وزیر اعلیٰ صاحب اسے خصوصی انعام سے نوازیں گے۔لہٰذا وہ اپنی بیگم کے ساتھ تین بجے آئی جی صاحب کے دفتر میں آ جائے تو وہ مل کر وزیر اعلیٰ ہاؤس جائیں گے۔آئی۔جی آفس سے فارغ ہونے کے بعد زرغم سیدھا اپنے گھر گیا۔دروازے کی گھنٹی بجائی تو لیڈی کانسٹیبل نے گیٹ پر آ کر پوچھا کون تو زرغم نے اپنا نام بتایا تو فوراً دروازہ کھل گیا تو لیڈی کانسٹیبل بولی سر آپ اندر تشریف لے آئیں میری ڈیوٹی آئی جی صاحب نے بیگم صاحبہ کی حفاظت کے لئے خصوصی طور پر لگائی ہے۔اتنے میں گلی میں گردش کرتے دو کانسٹیبل بھی آ گئے انہوں نے آتے ہی زرغم کو سیلوٹ کیا اور زرغم کو بتایا کہ آپ کے جانے کے بعد آئی جی صاحب نے آپ کے گھر کی حفاظت کی ذمہ داری انہیں سونپی ہے۔یہ بات سن کر زرغم بہت خوش ہوا وہ اندر گیا اور جاتے ہی اشعر کی گود میں اٹھا لیا اور بے ساختہ اسے چومنا شروع کر دیا تو اشعر رونے لگا۔لائبہ نے اسے مبارکباد دی تو زرغم نے خیر مبارک کہا اور بولا میں اپنے شہزادے سے بہت اداس ہو گیا تھا اس نے روتے ہوئے اشعر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ان دونوں کانسٹیبلوں کو اس نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا اور لائبہ سے بولا کہ چائے بناؤ اور ساتھ کچھ کھانے کو بھی دو۔لیڈی کانسٹیبل جس کا نام نسرین تھا۔وہ کہنے لگی سر آپ بیٹھیں میں چائے بناتی ہوں۔زرغم ڈرائنگ روم میں آیا اور ان

کانسٹیبلان کا شکریہ ادا کیا تو وہ کہنے لگے سر جی شکریہ کی کوئی بات نہیں آپ ہمارے قابل فخر پولیس آفیسر ہیں۔ ماشاءاللہ آپ نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ہم دل کی گہرائیوں سے آپ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں آپ کی وجہ سے پولیس کے وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے چائے پی اور چلے گئے۔ زرغم نے لائبہ سے کہا اب تیار ہو جاؤ ہم نے تین بجے وزیراعلیٰ ہاؤس جانا ہے جہاں میرے اعزاز میں تقریب ہے اور بہن نسرین آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گی۔ پھر وہ تیار ہو کر تین بجے آئی جی صاحب کے آفس گئے جہاں انہیں بہت سرکاری پروٹوکول ملا، پھر وہ آئی جی صاحب کے ساتھ ساڑھے تین بجے وزیراعلیٰ ہاؤس پہنچ گئے جہاں بہت سارے صحافی اور ٹی وی چینل والے آئے ہوئے تھے۔ چار بجے تقریب شروع ہوئی تلاوت کلام پاک اور نعت شریف کی تلاوت ہوئی اس کے بعد میزبان تقریب نے مختصر خطاب کیا اور پھر وزیراعلیٰ نے خالص سونے کا پانچ تولہ کا ایک گولڈ میڈل زرغم کے گلے میں پہنایا اور ساتھ ہی پندرہ ہزار روپے کا کیش پرائز اور اپنے دستخط شدہ تعریفی سند دی۔ وزیراعلیٰ صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ زرغم جیسے قابل اور ہونہار پولیس آفیسر ہمارے ملک کا انتہائی قیمتی سرمایہ ہیں۔ پورے ملک کو ان پر ناز ہے ان کے اس شاندار کارنامے نے ہمارے سر کو فخر سے بلند کر دیا ہے۔ زرغم صاحب ہمیں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی اسی طرح اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہیں گے۔ یہ تقریب براہ راست ٹی وی پر نشر ہو رہی تھی اور ٹی وی والے بار بار زرغم اور لائبہ کو دکھا رہے تھے۔ سیٹھ کامران لاشاری اور ان کی بیگم بھی یہ تقریب دیکھ رہے تھے۔ ان کی بیگم اپنی بیٹی اور اس کی گود میں اپنے نواسے کو دیکھ کر رو رہی تھیں، مگر سیٹھ کامران بے حس بنے اپنی انا کے ہاتھوں میں مجبور خاموش وہ تقریب دیکھ رہے تھے۔ ان کی بیگم بولی کامران میرا دل کر رہا ہے میں لائبہ سے ملوں اور اپنے نواسے کو سینے سے لگاؤں تو سیٹھ کامران بولے کوئی ضرورت نہیں ہے اس سے ملنے کی وہ اب ہماری کچھ نہیں لگتی میں نے اسے اس گھر سے

نکال دیا ہے ہمارا اب اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب تم یہ ٹسوے بہانا بند کرو۔ اتنا کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ لائبہ کی امی روتی رہیں آخر لائبہ ان کے جگر کا ٹکڑا تھی۔ وہ اسے یاد کر کے اکثر روتی رہتی تھیں۔ مگر سیٹھ کامران کو وہ کبھی یاد نہ آئی۔ تقریب کے بعد زرغم کا انٹرویو مختلف اخبارات والوں نے لیا اور شام چھ بجے زرغم اور لائبہ گھر پہنچے۔ زرگم نے لائبہ سے کہا کہ ایک دو دن کے اندر اندر اپنا سامان پیک کرو اب ہم رانی پور جائیں گے جہاں زرغم کی پوسٹنگ ہوئی ہے۔ تو لائبہ بولی وہ تو ٹھیک ہے مگر وہاں پوسٹنگ تو آپ کی ہوئی ہے میری پوسٹنگ تو ابھی یہیں ہے۔ تو لائبہ میری جان کیوں فکر مند ہوتی ہو گورنمنٹ کے آرڈرز کے مطابق اگر میاں بیوی دونوں سرکاری ملازم ہوں تو ان کی پوسٹنگ ایک ہی شہر میں ہو گی ابھی تو تم چھٹی پر ہو جیسے ہی تمہاری چھٹی ختم ہو گی۔ وہاں رانی پور کے ڈگری گرلز کالج میں تمہارا ٹرانسفر ہو جائے گا۔ اگلے روز زرغم آئی جی صاحب سے ملا اور اپنی بیگم لائبہ کے تمام کوائف انہیں دیئے اور کہنے لگا ہم کل تک میاں بیوی رانی پور شفٹ ہو جائیں گے تو آپ میری بیوی کا ٹرانسفر بھی وہاں کے گرلز ڈگری کالج میں کروا دیں۔ تو آئی جی صاحب بولے نو پرابلم کوئی مسئلہ نہیں ہے انشاءاللہ دو یا تین دن تک تمہاری بیوی کا ٹرانسفر وہاں ہو جائے گا میں آج ہی ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ آفس رابطہ کرتا ہوں، تو زرغم نے ان کا شکریہ ادا کر کے سیلوٹ کیا اس کے بعد وہ ایک پراپرٹی ڈیلر سے ملا جس سے اس نے کہا کہ کوئی مناسب چھوٹی فیملی دیکھ کر اس کا گھر کرائے پر چڑھا دو۔ جو موٹر سائیکل لائبہ نے اس کی سالگرہ پر اسے تحفے میں دیا تھا زرغم اس کا بہت خیال رکھتا تھا اور روزانہ اس کی صفائی اپنے ہاتھوں سے کرتا تھا۔ اسے اس موٹر سائیکل سے بہت پیار تھا کیونکہ وہ اس کی بیوی نے اسے تحفے میں دیا تھا۔ وہ آج بھی نئے کا نیا تھا اس کی چمک دمک پہلے دن کی طرح تھی۔ اگلے دن انہوں نے اپنے گھر کا سارا سامان پیک کیا اور ایک چھوٹے مزدا ٹرک میں لوڈ کروایا اس نے اپنے گھر کی چابی پراپرٹی ڈیلر کو دی اور ساتھ ہی اپنا

فوج نمبر دیا اور پھر اسی دن انہوں نے لاہور کو خیر آباد کہا اور رانی پور جانے کے لئے چل پڑے۔

کلثوم نے بڑے شاندار نمبروں کے ساتھ ایف اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی اب وہ مزید آگے پڑھنا چاہتی تھی اور بی۔اے کرنا چاہتی تھی نفاست شاہ اپنے کاموں میں اس قدر مصروف ہو گیا تھا کہ وہ اپنی پہلی بیوی زہرا شاہ اور بیٹی کلثوم کو بھول چکا تھا کافی عرصہ سے اس کا چکر ان کی طرف نہیں لگا تھا۔ وہ اپنی سیاست اور دیگر کاموں میں ہر وقت مشغول رہتا۔ کریم بخش کا بی۔اے کا امتحان قریب تھا اس کی رول نمبر سلپ اور ڈیٹ شیٹ آ گئی تھی وہ اپنے امتحان کی تیاری میں دن رات مصروف رہتا وہ کافی کمزور ہو گیا تھا ان دو سالوں میں اس نے بے انتہا محنت مشقت کی تھی وہ روزانہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتا اور دس سے بارہ گھنٹے پڑھتا رہتا۔ اسے کسی چیز کا ہوش نہیں تھا، اس کی دھن میں ایک ہی دھن سوار تھی اور وہ یہ کہ اس کا بی۔اے کا امتحان کلیئر ہو جائے جس کے لئے وہ ہر وقت اللہ سے دعا کرتا رہتا۔ آج اس کا پہلا پیپر انگلش اے کا تھا اس کی تیاری خوب تھی۔ اس لئے پیپر اسے آسان لگا اور وہ تین گھنٹے لکھتا رہا۔ اس کا بہت اچھا پیپر ہوا تھا۔ اسی طرح ایک ایک کر کے اس کے سب پیپر بہت اچھے ہوئے تھے۔ آج اس کا آخری پیپر تھا وہ پیپر دے کر آیا تو بہت خوش تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کلثوم نے اسے بلایا آج وہ گھر میں اکیلی تھی۔ اس کی ماں زہرا شاہ کسی کام کی غرض سے گھر سے باہر گئی تھی۔ کریم بخش چھوٹی حویلی میں داخل ہوا تو سامنے کلثوم کھڑی تھی۔ کریم بخش نے سلام کیا تو کثوم نے سلام کا جواب دیا۔ اچھا یہ بتاؤ تمہارے پیپر کیسے ہوئے......؟ جی بہت اچھے پیپر ہو گئے ہیں۔ یہ تم اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہو......؟ وہ جی ایک زمیندار کے ہاں پورا ڈیڑھ سال نوکری کی ہے باقی مجھے اپنی پڑھائی کے لئے دن رات کوئی ہوش نہیں تھا بس پڑھائی میں مگن رہا۔ اچھا تمہیں کسی کی یاد نہیں آئی؟ کریم بخش نے کلثوم کے چہرے کی طرف دیکھا جس کے لبوں پر مسکان تھی

اور آج وہ بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی اور اپنے سر کے بالوں کو ہاتھ کی انگلی سے مروڑ رہی تھی۔ کریم بخش یک ٹک اسے دیکھتا رہا اس کے دل میں پیار کی دبی چنگاری سلگ اُٹھی اور وہ بولا۔ جی ہاں بہت یاد آتی تھی۔ کلثوم بولی کس کی؟ تو کریم بخش بے ساختہ بولا جی آپ کی۔ اچھا تو پھر پورے دو ماہ ہو گئے ہیں تو ملنے کیوں نہیں آئے؟ وہ جی میں اپنے امتحان میں بہت مصروف تھا۔ اس لئے تو کلثوم بولی کریم بخش تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو میں بھی تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔ مگر کلثوم جی ہمارا ملن بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ کہاں آپ میری مالکن اور کہاں میں آپ کا نوکر، اگر شاہ جی کو پتہ چل گیا تو وہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے کتوں کو کھلا دیں گے۔ میں بے موت مارا جاؤں گا۔ ارے پگلے پیار کی راہوں پر چلنے والے ایسا نہیں سوچتے۔ اچھا تم مجھے یہ بتاؤ کیا تم بھی مجھ سے پیار کرتے ہو؟ جی ہاں کلثوم جی اپنی جان سے بڑھ کر آپ کو چاہتا ہوں۔ یہ آپ ہی کی مہربانی ہے کہ پہلے میں نے ایف۔اے کا امتحان پاس کیا اور اب بی۔اے کا امتحان دیا ہے۔ یہ سب آپ ہی کا ساتھ ہے ورنہ میں تو کسی قابل بھی نہیں ہوں۔ کریم بخش ایسا نہیں ہے تمہارے اندر بھی آگے بڑھنے کی جستجو ہے۔ اب تم گریجویٹ بن جاؤ گے اور امید ہے تمہیں اچھی نوکری بھی مل جائے گی۔ مگر کلثوم جی میں تو اشتہاری ہوں۔ شاہ جی کا سایہ میرے سر پر ہے ورنہ پولیس نے تو کب کا مجھے اٹھا لینا تھا۔ اچھا کریم بخش تم فکر نہ کرو۔ اب جیسے ہی ابو جان آئیں گے تو ان سے تمہارے متعلق بات کروں گی۔ اور امید ہے وہ تمہاری پولیس سے گلوخلاصی کروا دیں گے۔ جی بہت بہت شکریہ۔ اچھا اب میں نے بھی بی۔اے میں داخلہ لینا ہے تو کل صبح تم میرے ساتھ چلو گے۔ ڈگری کالج میں داخلہ فارم جمع کروانے ہیں۔ جی بہت بہتر۔ اتنا کہہ کر کریم بخش وہاں سے واپس آ گیا۔

رفیق جیسے ہی ہوا معطل ہوا وہ اگلے روز نفاست شاہ کے پاس آ گیا اور آ کر اسے اپنی ساری بپتا سنائی تو نفاست شاہ بولا تم بہت لاپرواہ ہو کم از کم تمہیں احتیاط کرنی

چاہیئے ،اس طرح لاپرواہی کرتے رہو گے تو ایک دن اپنی نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھو گے میں کب تک تمہیں بچاتا رہوں گا۔ اب اسمبلیاں تحلیل ہونے میں بہت تھوڑا وقت رہ گیا جیسے ہی پانچ سال پورے ہونگے پھر نگران حکومت بنے گی اور نئے الیکشن ہونگے مجھے معلوم ہے تمہاری وجہ سے بہت سارے لوگ میرے خلاف ہیں۔ اب نئے الیکشن تک تمہیں بہت احتیاط کرنا ہوگی کیونکہ میں اب ایم۔ این اے کی سیٹ کا الیکشن لڑوں گا اور الیکشن لڑنے کے لئے میرا حلقہ بہت وسیع ہوگا اس لئے اب تم سدھر جاؤ اور اچھے طریقے سے اپنی ڈیوٹی کرو۔ باقی میں کل صبح ڈی پی او صاحب کو ملوں گا اور ان سے تمہاری بحالی کی بات کروں گا۔ چنانچہ اگلے روز نفاست شاہ ڈی پی او صاحب سے ملا مگر انہوں نے اسے بحال کرنے سے انکار کر دیا اور کہا رفیق ایک بہت کرپٹ اہلکار ہے جس کی وجہ سے پولیس کا محکمہ بدنام ہو رہا ہے میں بہت جلد اسے ہمیشہ کے لئے محکمہ سے نکال دوں گا کیونکہ اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے ہمارے **CSP** آفیسر جو کہ بھیس بدل کر تھانے کے حالات کا جائزہ لینے گیا تھا اس سے سرعام پچیس ہزار روپے رشوت مانگی یہ کوئی چھوٹا جرم نہیں ہے جس کی اسے سزا ملے گی۔ نفاست شاہ نے ان کی بہت منتیں کیں مگر ڈی پی او صاحب نہیں مانگے پھر نفاست شاہ نے صوبائی وزیر داخلہ اور ڈی آئی جی صاحبان کو فون کروائے اور ڈی پی او صاحب کو مجبور کر دیا تو انہوں نے رفیق کی دو سال کی انکریمنٹس اسٹاپ کر دیں۔ اس کی۔ اے۔ سی۔ آر بھی خراب کر دی جس کے مطابق اگلے پانچ تک اس کی ترقی نہیں ہو سکتی تھی۔ تو اسے بحال کر دیا اور ایس ایچ او کو ہدایت کی کہ اسے ایسی ڈیوٹی پر لگایا جائے جہاں اس کا پبلک سے رابطہ نہ ہو۔ لہٰذا رفیق بحال ہو کر واپس تھانے میں آ گیا۔ ایس ایچ او نے بھی اس کی خوب سرزنش کی۔

آج زرغم اور لائبہ رانی پور پہنچ گئے۔ اے ایس پی کی کوٹھی جو کافی عرصہ سے خالی پڑی تھی زرغم لاہور جانے سے پہلے کچھ بندوں کی ڈیوٹی لگا گیا تھا کہ ان کے واپس آنے تک کوٹھی کی صفائی ستھرائی اور رنگ و روغن کا کام مکمل ہو۔ جب وہ کوٹھی میں آئے

تو وہ صاف شفاف شیشے کی طرح چمک رہی تھی۔ انہوں نے اپنا سامان وہاں شفٹ کیا۔ ان کا سارا دن گھر کی سیٹنگ میں لگ گیا۔ اگلے دن زرغم یونیفارم پہن کر اپنے آفس گیا جہاں سارا دن مبارک دینے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ اس سے اگلے روز زرغم نے اپنے انڈر آنے والے تمام تھانوں کے ایس۔ ایچ۔ اوز کو بلایا ان سے میٹنگ کی اور ان کو درج ذیل ہدایات دیں۔

1- ہر پولیس اسٹیشن کا عملہ روزانہ صبح سات بجے تھانے میں پریڈ کرے گا۔
2- تمام پولیس اہلکاروں کے بڑھے ہوئے پیٹ کم ہونے چاہئیں۔
3- ایف آئی آر کے اندراج کے بغیر کسی ملزم کو حوالات میں بند نہیں کیا جائے گا۔
4- پولیس اسٹیشن میں آنے والے ہر سائل کی فوری ایف آئی آر درج کی جائے گی۔
5- کسی سے کوئی رشوت یا تحفہ نہ طلب کیا جائے گا اور نہ ہی لیا جائے گا۔
6- رات کے ٹائم گشت کے معمول کو بہتر بنایا جائے۔
7- پولیس اسٹیشن کے بل بجلی و دیگر اخراجات بروقت ادا کئے جائیں۔
8- تمام پولیس اسٹیشنز کی اسلحہ کی رپورٹ مانگی۔
9- ہر اہلکار چوکس ہو کر اپنی ڈیوٹی سرانجام دے گا۔
10- تمام ناکارہ گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کی رپورٹ مانگی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے امور اس نے ڈسکس کئے۔ آئی جی صاحب سے اس نے بات کی اور ان سے درخواست کی کہ پیٹرول، ڈیزل، موبل آئل کے بلز اور دیگر اخراجات کے فنڈز کی بروقت ادائیگی کی جائے تمام کوارٹرز کی مرمت اور رنگ و روغن کا انتظام کیا جائے۔ ناکارہ گاڑیوں اور موٹر سائیکلز کی مرمت کا بندوبست کیا جائے۔ تمام پولیس اسٹیشنز میں رنیچر کی کمی کو پورا کیا جائے۔ تمام پولیس ملازمین اور ان کے اہل خانہ کے علاج معالجہ کے لئے سرکاری ڈسپنسری بنائی جائے جہاں ایک ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر کام کریں، تمام ملازمین نے ٹی۔ اے۔ ڈی اے بلز اور ان کے

میڈیکل بلز کی فوری ادائیگی کی جائے۔آئی جی صاحب نے اس سے وعدہ کیا کہ جو مطالبات اس نے کئے ہیں وہ سو فیصد جائز ہیں اور انشاءاللہ بہت جلد وہ تمام مسائل حل کئے جائیں گے۔زرغم رشوت کے بہت خلاف تھا۔اس نے تمام تھانوں میں سختی سے تنبیہ کی کہ اگر کسی کے خلاف رشوت خوری کی شکایت اسے ملی تو وہ اس اہلکار سے سختی سے نپٹے گا۔تقریباً دس بارہ دن میں زرگم کی شہرت پورے رانی پور میں پھیل گئی اور اس کو بہت سراہا جانے لگا۔اسی دوران تمام پولیس ملازم کے رُکے ہوئے بلز کا فنڈ بھی آ گیا اور سب کو ان کی ادائیگی بھی ہوگئی۔فرنیچر کی کمی کو بھی پورا کر دیا گیا اور تمام ملازمین کو الاٹ شدہ سرکاری کوارٹرز کی مرمت اور رنگ و روغن کا کام بھی شروع ہو گیا۔جس سے ملازمین بہت خوش ہوئے اور وہ دل سے زرغم کی عزت کرنے لگے۔ڈی پی او صاحب بھی بہت خوش ہوئے اور انہوں نے زرغم کو ہدایت کی کہ اس طرح کے مسائل ان کے نوٹس میں لائے جائیں تاکہ ان کے حل کے لئے بروقت کارروائی کی جائے۔زرغم ہر ہفتے ہر پولیس اسٹیشن جاتا وہاں کا ریکارڈ اور دیگر امور چیک کرتا۔رات کے ٹائم وہ اپنی موٹر سائیکل پر رانی پور کی سڑکوں کا گشت کرتا اور گشت کرنے والی گاڑیوں کو چیک کرتا جس کا نتیجہ یہ نکلا ہر اہلکار چوکس ہو کر ڈیوٹی کرتا اور جرائم کی شرح بہت کم ہوگئی۔رانی پور کے رہائشیوں نے سکھ کا سانس لیا اب ہر جگہ زرغم کا ہی تذکرہ ہونے لگا کہ بہت ایماندار، دیانت دار اور فرض شناس پولیس افسر رانی پور میں آیا ہے جس کی دہشت سے جرائم پیشہ لوگ یہاں سے بھاگ گئے ہیں۔زرغم کا شہرہ نفیسہ بیگم تک بھی پہنچا اور اور اسے بتایا گیا کہ وہ دبنگ افسر ہے مظلوم کی دادرسی کرتا ہے اور بہت ایماندار افسر ہے۔رور قیہ بیگم کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ وہ زرغم سے ملے اور اپنے خاوند رشید کے قتل کے مجرموں کی گرفتاری کا بولے اور اس کی زمین پر نفاست شاہ نے جو قبضہ کیا ہے وہ چھڑوائے۔وقت کے مصائب، رشید کے قتل اور اس کی زمین پر قبضہ نے رقیہ بیگم کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا وہ تنہائی کی زندگی گزار رہی تھیں اور ہر وقت روتی

رہتی تھیں تو ایک دن وہ کسی نہ کسی طرح سے زرغم کے دفتر پہنچ گئیں۔زرغم اپنا آفس کام کام کر رہا تھا تو رقیہ بیگم نے آ کر سلام کیا تو زرغم نے سلام کا جواب دیا۔کیا میں اندر آ سکتی ہوں......؟ جی جی ماں جی تشریف لائیں زرغم نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر ان کو کرسی پر بٹھایا پھر ان کے لئے پانی کا گلاس منگوایا جب وہ پانی پی چکیں تو زرغم ان سے مخاطب ہوا۔جی ماں جی حکم کریں کس سلسلہ میں آپ کا آنا ہوا......؟ تو رقیہ بیگم بولی۔ بیٹا میری داستان تھوڑی لمبی ہے تو آپ کے پاس اتنا ٹائم ہے......؟ جی ماں جی بالکل آپ کھل کر بتائیں میں ہمہ تن گوش ہوں۔تو رقیہ بیگم نے آزادی سے پہلے جب متحدہ ہندوستان تھا وہاں سے اپنی داستان سنانا شروع کی جسے بڑے غور سے زرغم سن رہا تھا۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ قائداعظم نے اس لئے پاکستان بنایا تھا کہ اپنوں پر اپنے ہی ظلم کریں؟نہیں ماں جی انہوں نے تو پاکستان اس لئے بنایا تھا کہ ہم ہندوؤں کے غلام نہ بنیں اپنی مرضی سے آزادی سے جئیں جہاں پر قانون کی حکمرانی ہو۔مگر بیٹا یہ کیسی قانون کی حکمرانی ہے میرے بے گناہ اور معصوم شوہر کو دن دیہاڑے قتل کر دیا گیا۔ میری چھ مربع زمین پر نفاست شاہ نے قبضہ کر لیا اور میرے شوہر کے قاتل دندناتے پھر رہے ہیں۔میں نے ہر افسر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔مگر کسی نے میری نہیں سنی یہاں تک کہ میری مرضی کی حق سچ کی ایف آئی آر تک درج نہیں کی گئی۔میرے منہ بولے ماں باپ عظمت صاحب اور سردار بی بی نے ہمیں بہت سہارا دیا ہمیں اپنی سگی اولاد کی طرح پالا پوسا۔میری زمین کی الاٹمنٹ کیلئے وہ پورے دس سال کھجل خوار ہوئے تب جا کر کہیں چھ مربع زمین الاٹ ہوئی اور نفاست شاہ نے میرے شوہر کو قتل کروا کر ساری زمین پر قبضہ کر لیا۔عظمت صاحب اور سردار بی بی بھی اس دنیا میں نہیں رہے۔میں اب اکیلی زندگی کے یہ دن گزار رہی ہوں۔میں بڑی آس امید سے بیٹا آپ کے پاس آئی ہوں میری یہ دلی آرزو ہے کہ میرے شوہر کے قاتل گرفتار ہو کر اپنے انجام بد تک پہنچیں اور میری زمین کا قبضہ بھی چھڑوا دیں کیونکہ چھ مربع زمین کی مالکن بڑی غربت

اور تنگدستی کی زندگی گزار رہی ہے۔ ماں جی آپ نے مجھے بیٹا بولا ہے تو آپ کا یہ بیٹا
آپ کو بیٹا بن کر دکھائے گا۔ اب آپ تنہا نہیں ہیں آپ کا یہ بیٹا آپ کے ساتھ ہے
میں انشاء اللہ پوری کوشش کروں گا اور بہت جلد رشید صاحب کے قاتل قانون کی
گرفت میں ہونگے۔ اس کے بعد زرغم نے رقیہ بیگم سے رشید کے قتل کی تاریخ پوچھی
اور دیگر معلومات کے ساتھ ان کا ایڈریس لیا اور بولا ماں جی اب آپ کو یہاں آنے کی
ضرورت نہیں پڑے گی میں خود چل کر آپ کے پاس آؤں گا۔ اس کے بعد اس نے
بہت عزت احترام سے انہیں رخصت کیا اور متعلقہ پولیس اسٹیشن سے رشید کے قتل کی
فائل منگوائی اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ پولیس کارروائی کی گئی
ہے اور نا معلوم ملزمان کی عدم دستیابی کا بہانہ بنا کر وہ فائل بند کر دی تھی۔ اب زرغم کے
سامنے نفاست شاہ تھا جس نے رشید کا قتل کروایا تھا اور رقیہ بیگم کی زمین پر قبضہ کیا تھا مگر
واردات کا چشم دید گواہ کوئی نہ تھا کسی نے رشید کو قتل ہوتے نہیں دیکھا تھا اب وہ سوچ
میں مبتلا ہو گیا کہ وہ کیسے نفاست شاہ پر ہاتھ ڈالے۔ شام کو جب زرغم اپنے گھر گیا تو
لائبہ کو رقیہ بیگم کی بابت سب کچھ بتایا تو لائبہ کہنے لگی زرغم آپ میری ایک بات مانیں
گے؟ کیوں نہیں میری جان پہلے کبھی تمہاری بات سے انکار کیا ہے تو بولو کیا بات ہے۔ تو
لائبہ بولی زرغم ایسا ہے کہ ان اماں جی کو کیوں نہ ہم اپنے گھر لے آئیں۔ انہیں اپنی ماں
سمجھ کر ان کی خدمت کریں اور ان کی دعائیں لیں کیا خیال ہے؟ تو زرغم بولا لائبہ تم نے
میرے دل کی بات چھین لی ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ یہ سن کر لائبہ مسکرا پڑی اور
کہنے لگی کہ پھر اس نیکی کے کام میں دیر کس بات کی ہے تو ابھی چلتے ہیں اور ان اماں جی
کو اپنے پاس لے آتے ہیں۔ تو زرغم نے آفس سے گاڑی منگوائی اور رقیہ بیگم کے گھر
پہنچ گئے۔ انہوں نے سلام کیا تو رقیہ بیگم نے سلام کا جواب دیا۔ وہ زرغم کو دیکھ کر بہت
خوش ہوئیں۔ زرغم نے لائبہ کا تعارف کروایا اور کہا کہ ماں جی یہ آپ کی بہو اور آپ کا
اشعر ہے۔ رقیہ نے لائبہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اشعر کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ زرگم نے

بتایا کہ ماں جی میں نے رشید کے قتل کی فائل منگوالی ہے اور اس پر کام شروع کر دیا
ہے۔ بہت جلد آپ کو رشید کے قتل کے ملزمان کی گرفتاری کی صورت میں ملے گی۔ تو
رقیہ بیگم بولی انشاء اللہ میرا سوہنا رب تمہاری مدد کرے گا۔ پھر اس طرح کی باتیں ہوتی
رہیں۔ پھر اصل مدعا زرغم اور لائبہ کی زبانوں پر آ گیا۔ اور وہ بولے ماں جی اب آپ
ہمارے ساتھ رہیں گی ہم آپ کو لینے آئے ہیں تو رقیہ بیگم بولی بیٹا یہ کیسے ممکن ہے آپ
مجھ دکھیاری اور بے بس عورت کے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں کر رہے ہیں......؟ تو زرغم
بولا ماں جی آپ مجھے اپنا بیٹا بھی کہہ رہی ہیں اور بیٹے اپنی ماں کے ساتھ ہمدردی نہیں
بلکہ ان کی خدمت کرتے ہیں۔ میرے ماں باپ اب اس دنیا میں نہیں ہیں میں بھی تنہا
ہوں۔ جب اپ پہلی بار میرے آفس آئی تھیں تو مجھے آپ میں اپنی ماں کی جھلک نظر
آئی تھی۔ آپ نے جب مجھے بیٹا کہا تو مجھے بہت اچھا لگا۔ میری سگی ماں میرے بچپن
میں ہی اس دنیا سے چلی گئی تھیں مجھے آج تک ماں کی ممتا نہیں ملی۔ ماں جی میری ماں
کی کمی پوری کر دیں تو رقیہ بیگم رونے لگیں اور آگے بڑھ کر زرغم کا سر چوم لیا اور کہنے لگیں
کہ بیٹا میں کس منہ سے اپنے سوہنے رب کا شکر ادا کروں۔ بچپن میں جب میرا پورا
خاندان شہید ہو گیا تو عظمت صاحب اور سردار بی بی نے میرے ماں باپ بن کر سہارا
دیا اور آج جب میں تہی دامن ہوں میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے تو میرے اللہ نے
مجھے تم جیسا بیٹا اور لائبہ جیسی بہو دے دی۔ زرغم بیٹا میرے اندر بھی بہت ممتا ہے مگر
میرے رب نے مجھے بے اولاد رکھا تو وہ ممتا میں کس پر نچھاور کرتی آج میں بڑھاپے کی
دہلیز پر تن تنہا کھڑی ہوں تو اس سوہنے مالک نے تمہاری صورت میں ایک بیٹا دے
دیا۔ میرے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اس کے بعد لائبہ اور زرغم نے رقیہ بیگم کا سامان
سمیٹا ان کے گھر کو تالا لگایا اور انہیں بڑی عزت اور تکریم سے گاڑی میں بٹھا کر اپنے گھر
لے آئے۔

جس زمیندار کے ہاں کریم بخش کام کرتا رہا وہ زمیندار نفاست شاہ کا مخالف تھا۔

نفاست شاہ اور اس زمیندار جس کا نام فضل حسین تا کی آپس میں نہیں بنتی تھی۔ نفاست شاہ کسی کام سے باہر تھا۔ کریم بخش فارغ بیٹھا تھا تو فضل حسین کا پیغام اسے ملا اس نے کریم بخش کو بلایا تھا تو وہ اس کی بات سننے چلا گیا۔ اس کے پیچھے نفاست شاہ اپنی حویلی میں آ گیا تو اس نے اپنے کارندے سے کریم بخش کا پوچھا تو اس نے بتایا کہ فضل حسین نے اسے بلایا ہے تو وہ اس کی طرف گیا ہے۔ فضل حسین کا نام سن کر نفاست شاہ آگ بگولہ ہو گیا اور بولا اس حرام خور کی اتنی مجال اب وہ میرے مخالفوں سے ملنا شروع ہو گیا ہے۔ جب وہ بے غیرت واپس ائے تو اسے میری طرف بھیجنا۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد کریم بخش واپس آیا تو اسے نفاست شاہ کا پیغام ملا۔ کریم بخش فوراً نفاست شاہ کے پاس حاضر ہوا تو اس وقت رفیق اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کریم بخش کو دیکھ کر نفاست شاہ کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا اور اس نے ماں بہن کی اور دوسری گندی گندی گالیاں دینا شروع کر دیں اور اسے دو تھپڑ بھی مارے اور بولا بے غیرت بے حیا انسان اب تم میرے مخالفوں سے ملتے ہو تم نمک حرام ہو، اب تمہیں اس نمک حرامی کی سزا ملے گی، یہ کہہ کر وہ رفیق سے مخاطب ہوا اور بولا لے جاؤ اس اشتہاری کو اور اسے اس کے کیئے کی سزا دو، کریم بخش کو گالیاں سن غصہ تو بہت آیا مگر اس نے ضبط کیا اور خاموش رہا تو رفیق اٹھ کھڑا ہوا اور کریم بخش کو گریبان سے پکڑ لیا اور اسے لا کر تھانے کے حوالات میں بند کر دیا۔ ساری رات اس پر تشدد کیا۔ کریم بخش حوالات میں پڑا درد سے کراہ رہا تھا نہ اسے کھانے کو دیا گیا اور نہ پینے کو وہ بے چارہ پولیس کی مار کھا کر ادھ مواہ پڑا ہوا تھا۔ اگلے دن زرغم اچانک پولیس اسٹیشن پہنچ گیا ایف آئی آر اور دیگر ریکارڈ چیک کیا جب اس نے حوالات میں پڑے کریم بخش کو دیکھا تو وہ درد سے تڑپ رہا تھا۔ زرغم نے فوراً اسے حوالات سے باہر نکلوایا اور پوچھا کہ کیا کیس ہے اس پر......؟ تو حوالدار نے بتایا کہ کیس کا تو پتہ نہیں رفیق اسے کل شام لے کر آیا تھا اور ساری رات اس پر تشدد کرتا رہا ہے زرغم نے ایف آئی آر کا ریکارڈ چیک کیا مگر اس کے خلاف کوئی ایف آئی آر

نہیں تھی۔ زرغم نے کریم بخش کو پانی پلایا اور ایک ڈاکٹر کو بلا کر اسے انجکشن لگوایا اور اسے میڈیسن کھلائی اور اسے کہا کہ وہ لیٹ جائے۔ اتنی دیر میں رفیق بھی تھانے آ گیا تو زرغم نے اس سے پوچھا کہ کریم بخش کا جرم کیا ہے......؟ تو رفیق نے بتایا کہ سر یہ اشتہاری ہے۔ کس کیس میں اور کس تھانے کا یہ اشتہاری ہے......؟ تو رفیق کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا جس پر زرغم نے اندازہ لگایا کہ دال میں کچھ کالا ہے، کریم بخش کی گرفتاری کا کوئی تحریری ثبوت موجود نہ تھا اوپر سے ساری رات اس پر تشدد ہوتا رہا تو زرغم نے رفیق کو حوالات بند کر دیا اور اس کے خلاف ایف آئی آر درج کروا دی۔ ڈی پی او آفس سے رفیق کی معطلی کے احکامات وصول ہو گئے تھے اس کا یونیفارم اتروا کر اسے اس ہی کے پولیس اسٹیشن کے حوالات میں ڈال دیا۔ جب کریم بخش کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو زرغم نے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے تمہیں کیوں پکڑ کر لایا گیا ہے تو کریم بخش نے اسے بات بتائی۔ زرغم نے پوچھا رفیق نے تمہیں اشتہاری بولا ہے۔ تو تمہاری بہتری اسی میں ہے سب کچھ سچ سچ بتا دو اور یہ بھی بتا دو کہ نفاست شاہ کے پاس تم کب سے کام کر رہے ہو......؟ چند لمحے کریم بخش نے سوچا اسے زرغم ایک اچھا انسان لگ رہا تھا تو اسے خیال آیا کہ شروع سے لے کر اب تک ساری بات اسے بتا دینی چاہیئے۔ ہوسکتا ہے اس معاملے میں وہ اس کی مدد کرے تو کریم بخش نے شروع سے لے کر اب تک کی ساری بات زرغم کو بتا دی۔ زرغم نے پوچھا کہ منظور قتل کی ایف آئی آر کس تھانے میں رجسٹرڈ ہوئی تھی تو کریم بخش نے تھانے کا نام بتا دیا۔ زرغم نے اس تھانے میں ٹیلی فون کیا اور ساڑھے چار سال پہلے منظور نامی لڑکے کے قتل کی ایف آئی کا پوچھا تو ایس ایچ او نے کہا وہ ریکارڈ چیک کر کے دو گھنٹے کے بعد بتاتا ہے۔ زرغم نے کریم بخش کو اپنے بٹھائے رکھا اور پھر اس تھانے کے انچارج کی کال آ گئی۔ جس نے بتایا کہ منظور قتل کیس کا اصل مجرم گرفتار ہو گیا تھا اور عدالت نے اسے سزا بھی سنا دی تھی اور وہ مجرم آج کل جیل میں ہے۔ تو زرغم نے کریم بخش کا پوچھا تو اس نے بتایا کہ ایف

آئی ار میں کریم بخش کا نام بھی تھا مگر وہ پیش نہیں ہوا تھا اور فرار ہو گیا تھا لیکن اصل مجرم کے اقرار جرم کے بعد باقی سب لڑکوں کو بے گناہ کر دیا گیا تھا ان بے گناہ ہونے والوں میں کریم بخش بی تھا۔ ادھر کریم بخش کا رنگ پیلا پڑا ہوا تھا اور وہ خوف کی وجہ سے کانپ رہا رہا تھا۔ زرغم نے اس کی طرف دیکھا اور اسے ساری صورتحال بتانے کے بعد مبارکباد دی تو کریم بخش کی جان میں جان آئی اور وہ خوش ہو گیا۔ وہ کہنے لگا سر میں نے تو ساڑھے چار سال اسی خوف میں گزار دیئے اور اب تک نفاست شاہ کا کام بنا رہا ہوں۔ تو زرغم بولا اب تمہیں کسی سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تم سو فیصد بے گناہ ہو اور اب آزاد ہو۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ نفاست شاہ کیسا آدمی ہے......؟ تو کریم بخش نے اس کی ساری ہسٹری زرغم کو بتا دی زرغم نے رشید کے قتل کا پوچھا تو کریم بخشن ے بتایا کہ رشید کا قتل اس کی آنکھوں کے سامنے ماکھے اور قربان نے نفاست شاہ کے کہنے پر کیا تھا اور مجھے نفاست شاہ نے سنگین دھمکیاں دی تھیں جن کی وجہ سے میں اب تک خاموش تھا۔ زرغم نے سوچا اس کا مطلب ماں جی ٹھیک کہتی ہیں ان کے مطابق رشید کا قاتل نفاست شاہ ہے۔ زرغم نے کریم بخش سے پوچھا اس وقت ماکھا اور قربان کدھر ہوں گے تو کریم بخش نے ان کے ٹھکانے کا بتا دیا۔ زرغم نے ایس ایچ او کو بلایا اور کہا کہ آدھی رات کو ایک جگہ ریڈ کرنا ہے اس لئے اپنی نفری تیار رکھو۔ زرغم نے اس معاملے کو ہر طرح سے خفیہ رکھا کہ اگر یہ بات لیک آؤٹ ہو گئی تو کہیں ماکھا اور قربان بھاگ نہ جائیں۔ رات کے دو بجے زرغم تھانے آ گیا اور پولیس پارٹی کے ساتھ ماکھے اور قربان کے خفیہ ٹھکانے کی طرف خاموشی سے چل پڑے۔ کریم بخش زرغم کے ساتھ تھا اور راستہ بتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹھکانے پر پہنچ گئے پولیس کے جوان اس گھر کی دیواریں پھلاند کر اندر داخل ہوئے اور مین گیٹ کھول دیا۔ ایک کمرے میں ماکھا اور قربان گہری نیند سو رہے تھے پولیس نے دونوں کو پکڑ لیا اور تھانے لے آئے۔ ابتدائی پوچھ گچھ سے وہ نہیں مانے جب ان کو تھرڈ ڈگری دی گئی تو فر فر بولنے لگے اور

رشید کے قتل کا اعتراف کر لیا۔ زرغم نے پوچھا کہ رشید کو کیوں قتل کیا تو وہ دونوں بولے کہ نفاست شاہ کا حکم تھا کیونکہ رشید اپنی زمین بیچنے سے انکار کر رہا تھا اور نفاست شاہ کو انکار سننے کی عادت نہیں ہے تو ہمارے ہاتھوں اسے قتل کروا دیا۔ زرغم نے پوچھا۔ رشید کے علاوہ اور کس کس کو قتل کیا......؟ تو انہوں نے چار پانچ بندوں کے نام لئے جن میں عبدالحق باری صاحب کا نام بھی شامل تھا۔ زرغم باری صاحب سے بہت عقیدت رکھتا تھا اس کے دل میں ان کا بہت عزت احترام تھا۔ جب اس نے باری صاحب کا نام سنا تو وہ غصے میں آ گیا اور اٹھ کر ماکھے اور قربان کو تھپڑ لگائے اور ان کو ٹھوکروں پر رکھ لیا اور بولا او بے غیرتو انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا اتنی نیک ہستی کو تم لوگوں نے شہید کر دیا تو وہ دونوں بولے ہم نے نفاست شاہ کے کہنے پر ان کو شہید کیا تھا۔ بہت ظلم کیا ہے تم لوگوں نے۔ اللہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ زرغم نے ان کے بیان ریکارڈ کئے اور اسی وقت مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا جہاں ان کا 164 کا بیان ریکارڈ کروایا اور پھر ان کو جیل بھیج دیا۔ اب زرغم ڈی پی او صاحب سے ملا اور انہیں ساری بات بتائی۔ نفاست شاہ قتل کیس میں ملوث تھا اور اس نے رقیہ بیگم کی زمین پر ناجائز قبضہ بھی کیا تھا۔ اب زرغم نفاست شاہ کو گرفتار کرنا چاہتا تھا اور ڈی پیاو صاحب سے اس کی اجازت مانگی انہوں نے ڈی آئی جی صاحب کو کال پر ساری صورتحال بتائی تو بالآخر انہوں نے نفاست شاہ کی گرفتاری کی اجازت دے دی۔ زرغم شام کے ٹائم نفری لے کر نفاست شاہ کی حویلی پہنچا اسے ماکھے اور قربان کی گرفتاری کی اطلاع مل چکی تھی۔ زرغم نے دو ٹوک بات کی کہ شاہ صاحب آپ کی گرفتاری کا وارنٹ میرے پاس ہے تو آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں اور ہمارے ساتھ چلیں تو نفاست شاہ نے پوچھا تم کس کیس میں مجھے گرفتار کرنے آئے ہو......؟ تو زرغم نے بتایا کہ رشید اور عبدالحق باری صاحب کے قتل کیسز میں۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟ سب سے بڑا ثبوت آپ کے دو بندے ماکھا اور قربان گرفتار ہو چکے ہیں اور ان کے بیان کے مطابق آپ کے کہنے پر انہوں

نے یہ دونوں قتل کئے ہیں۔ ماکھا اور قربان؟ یہ کون ہیں......؟ یہ دونوں آپ کے خاص
کارندے ہیں۔ اے ایس پی صاحب آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں تو اس نام کے کسی
بندے کو نہیں جانتے اور نہ ہی یہ میرے ملازم ہے۔ یہ ساری میرے خلاف مجھے بدنام
کرنے کی سازش ہے۔ شاہ صاحب آپ ہمارے ساتھ تو چلیں یہ سب باتیں تھانے
میں چل کر ہوں گی۔ زرغم اسے بازو سے پکڑنے کے لئے آگے بڑھا تو نفاست شاہ بولا
رک جاؤ اے ایس پی اتنا کہہ کر اس نے اپنی ضمانت قبل از گرفتاری کا پرچہ نکال کر زرغم
کو پیش کیا جس پر اسے دس دن تک گرفتار نہ کرنے کے احکامات پر جج نے دستخط کئے
تھے۔ زرغم نے وہ ضمانت نامہ دیکھا اور بولا نفاست شاہ اب تو تم بچ گئے ہو دس دن
گزرتے دیر نہیں لگتی اب تمہاری ضمانت نہیں ہوگی۔ دس دن کے بعد میں دوبارہ آؤں
گا اور تمہیں گرفتار کر کے لے جاؤں گا۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی ایک نہ
ایک دن تم قانون کے شکنجے میں ضرور ہوگے۔ اتنا کہہ کر زرغم نفری کو لے کر واپس
آ گیا۔ زرغم کے جانے کے بعد نفاست شاہ بولا اس اے ایس پی نے رفیق کے خلاف
بھی ایف آئی آر درج کر کے اسے بھی جیل بھیج دیا ہے۔ اب یہ میرے پیچھے پڑا ہے تو
اس کا کچھ کرنا پڑے گا۔ اس کا ایک بندہ بولا شاہ جی یہ ساری گیم کریم بخش کی ایما پر
ہو رہی ہے۔ اے ایس پی نے تھانے سے اس کی رپورٹ منگوائی ہے۔ جس میں اسے
منظور قتل کیس میں بے گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی کی نشاندہی پر اے ایس پی نے
ماکھے اور قربان کو گرفتار کیا ہے۔ کریم بخش رشید کے قتل کا چشم دید گواہ بن گیا ہے۔
نفاست شاہ بولا کوئی بات نہیں اس اے ایس پی اور کریم بخش سے تو میں نمٹ لوں گا۔
مجھے کچھ سوچنے دو۔ ادھر زرغم بھی بے خبر نہیں تھا۔ اس کے پاس بھی پل پل کی رپورٹ
تھی۔ اس نے کریم بخش کو بلایا اور کہا دیکھو تمہاری جان کو بھی خطرہ ہے۔ نفاست شاہ تم
پر لازمی وار کرے گا۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ کسی محفوظ ٹھکانے پر چلے جاؤ۔ تو
کریم بخش بولا سر میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے میں تو نفاست شاہ کے پاس رہتا تھا اب تو وہ

ٹھکانہ میں نے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اب میں کدھر جاؤں تو زرغم نے تھوڑی دیر
سوچا اور اس سے کہا تم ایسا کرو ادھر تھانے میں ہی رک جاؤ میں ایس ایچ او سے کہہ کر
تمہاری رہائش کا بندوبست کرواتا ہوں، پھر اس نے ایس ایچ او سے کہا تو اس نے کہا
سر کوئی مسئلہ نہیں ہے، یہ اب ہماری حفاظت میں رہے گا۔

لائبہ اور زرغم رقیہ بیگم کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے جہاں ان کو بہت عزت
احترام دیا ان کو نئے کپڑے لا کر دیئے۔ ڈاکٹر سے ان کا چیک اپ کروایا ان کو دوائیں
اچھی خوراک توجہ بھرپور پیار دیا تو وہ دوبارہ جی اٹھیں۔ اب ان کی صحت بھی اچھی ہوگئی
تھی۔ اشعر بھی ان سے بہت مانوس ہو گیا تھا وہ سارا دن اسے گود میں اٹھائے پھرتیں،
اشعر کو بھی دادی کا پیار مل گیا تھا۔ لائبہ سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہتی۔
لائبہ کے ٹرانسفر آرڈر لاہور سے رانی پور کے آ چکے تھے اس کی چھٹی صرف ایک ہفتہ رہ
گئی تھی۔ ڈگری کالج میں تھرڈ ایئر کے داخلے ہو چکے تھے اور ایک بعد ہی کلاسز شروع
ہونی تھیں۔ آج شام کو جب زرغم گھر آیا تو وہ بہت خوش تھا۔ اس نے آتے ہی رقیہ بیگم
کو مبارکباد دی کہ رشید کے قاتل گرفتار ہو چکے ہیں اپ کی بات سو فیصد درست تھی۔
نفاست شاہ نے ہی رشید کو عبدالحق باری صاحب کو قتل کروایا ہے۔ اس کے کارندوں
نے اعتراف کر لیا ہے اور یہی بیان پولیس اسٹیشن اور مجسٹریٹ کے سامنے دیا ہے۔ رقیہ
بیگم نے خیر مبارک کہا اور بہت خوش ہوئیں اور پیار سے زرغم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور
پوچھنے لگیں بیٹا اس قتل کا سراغ تم نے کیسے لگایا کیونکہ قتل کا چشم دید گواہ تو کوئی نہ تھا۔ تو
زرغم بولا ماں جی وہ کہتے ہیں ناں کہ ہر فرعون کے گھر ایک موسیٰ ہوتا ہے تو ادھر بھی یہی
بات ہوئی کریم بخش نامی ایک نوجوان جو نفاست شاہ کا کام تھا تو اسی کے سامنے رشید کا
قتل ہوا تھا۔ نفاست شاہ نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر کسی کو اس قتل کا بتایا تو تمہاری خیر
نہیں تو وہ بے چارہ اپنی جان بچانے کے چکر میں خاموش تھا۔ وہ کہتے ہیں ناں صیام
اپنے دام میں خود ہی آ گیا۔ نفاست شاہ نے اس بے گناہ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

اللہ کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا ضرور ملتی ہے۔آج جب میں نفاست شاہ کو گرفتار کرنے گیا تو آگے سے وہ مکر گیا کہ یہ دونوں کو جانتا ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے یہ کاغذ دیے ہیں اسی بات پر اس نے ضمانت قبل از گرفتاری کروالی ہے۔جس کی میعاد صرف دس دن ہے۔اپنے آپ کو بچانے کے لئے وہ گھوڑے دوڑا رہا ہے۔دس دن کے بعد میں بھی اس کو گرفتار کر کے رہوں گا۔تو رقیہ بیگم بولی انشاء اللہ میرا بیٹا اللہ پاک تمہاری ضرور مدد فرمائے گا۔اس نفاست شاہ نے بڑا اندھیر مچایا ہوا ہے اب تو اس کو اپنے کیئے گئے ہر جرم کا حساب تو دینا پڑے گا۔تو زرغم نے کہا اب ماں جی آپ کی زمین پر اس کا قبضہ چھڑوانا ہے تو اس نے رقیہ بیگم کی طرف سے ڈی پی او صاحب کے نام ایک درخواست لکھی جس میں انہوں نے اپنی چھ مربع زمین پر نفاست شاہ کے ناجائز قبضہ کا لکھا اور اس سے قبضہ چھڑوانے کی استدعا کی۔اس درخواست پر رقیہ بیگم کے دستخط کروائے اور زمین کے متعلق اہم کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں لگائیں۔اگلے دن وہ ڈی پی او صاحب کے سامنے پیش ہوا اور انہیں ساری بات بتائی تو انہوں نے وہ درخواست زرغم کو مارک کردی اور لکھا کہ اس بیوہ خاتون کی زمین سے ناجائز قبضہ چھڑوا کر وہ زمین اصل مالک کے حوالے کی جائے۔چنانچہ زرغم پولیس کی بھاری نفری لے کر ان کی زمین پر گیا اور نفاست شاہ کے غنڈوں سے زمین کا قبضہ چھوڑنے کی بات کی تو آگے سے انہوں نے فائرنگ شروع کردی تو پولیس پارٹی نے بھی جواباً فائرنگ شروع کردی۔پورا ایک گھنٹہ دونوں اطراف سے فائرنگ ہوتی رہی۔دو پولیس اہلکاروں کو گولیاں لگیں اور وہ شدید زخمی ہوگئے۔زرغم نے پولیس جوانوں کے ہمراہ کریلنگ کر کے آگے بڑھنا شروع کردیا ملزمان کے پاس اسلحہ کی گولیاں ختم ہوگئی تھیں وہ اب بھاگنے کے چکر میں تھے مگر پولیس نے انہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا بالآخر آہستہ آہستہ زرغم اور پولیس پارٹی ملزمان کے قریب پہنچ گئی۔ملزمان نے ایک بہت بڑی چاردیواری بنائی ہوئی تھی وہ سارا دن گھوم پھر کر زمین

کی نگرانی کرتے زمین بہت ساری فصلیں بھی کاشت ہوتی رہتی تھی۔ جنہیں بیچ کر نفاست شاہ لاکھوں روپے کماتا تھا۔رات کو ملزمان اس چاردیواری کے اندر چلے جاتے جہاں وہ رہائش پذیر تھے کھانا بنانے کے لئے دو لانگری رکھے ہوئے تھے ملزمان کی مجموعی تعداد پچیس افراد پر مشتمل تھی جو سارا دن اور رات کو وہیں پر رہتے۔چار دیواری کے قریب پہنچ کر زرغم نے لاؤڈ اسپیکر پر ملزمان سے کہا کہ تمہیں چاروں طرف سے پولیس نے گھیرے میں لے رکھا ہے بھاگنے کے تمام راستے بند ہیں، بہتر ہے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردو مگر ملزمان کی طرف سے کوئی جواب نہ دیا گیا تو زرغم نے چاردیواری کے گیٹ پر ہلہ بول دیا۔چار پانچ ملزمان بھاگنے لگے۔تو پولیس نے ان پر فائرنگ کردی جس سے دو ملزمان کی ہلاکت ہوگئی اور تین زخمی ہوگئے۔بہرحال کچھ دیر کے بعد تمام ملزمان نے گرفتاری دے دی۔زرغم نے ایک ایک کمرے کو اچھی طرح چیک کیا۔اس چاردیواری کو سیل کردیا۔زخمیوں کو لاشوں کو اسپتال پہنچایا اور بیس ملزمان کو لاکر حوالات میں بند کردیا اور ان کے خلاف ناجائز قبضہ اور پولیس پر فائرنگ کی ایف آئی آر درج کردی۔کچھ کانسٹیبلان کو وہیں زمین پر نگرانی کے لئے چھوڑ دیا۔

رات کو گھر آکر زرغم نے رقیہ بیگم کو خوشخبری سنائی کہ ماں جی آپ کی زمین سے ناجائز قبضہ ختم کروادیا ہے اور تمام ملزمان کو گرفتار کرلیا ہے۔تو یہ بات سن کر رقیہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ رقت آمیز آواز سے بولی زرغم بیٹا تم تو رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو میں تو اب ناامید ہوچکی تھی۔مگر تم نے وہ کردیا جو کسی نے کچھ نہ کیا تھا۔ساتھ ہی انہوں نے زرغم اور لائبہ کو بے شمار دعاؤں سے نوازا اور فوراً وضو کر کے اپنے رب کی بارگاہ میں شکرانے کے نوافل ادا کیئے۔اس زمین پر کافی ساری فصلیں تیار کھڑی تھیں اگلے دن زرغم نے اناج منڈی کا رخ کیا اور تین چار بیوپاریوں کو ساتھ لیا اور انہیں ساری فصلیں دکھائی۔ان بیوپاریوں نے مختلف ریٹ لگائے۔مگر ایک بیوپاری نے ساری کھڑی فصل کا سب سے زیادہ ریٹ اٹھارہ لاکھ روپے لگایا تو زرغم نے وہ آفر

قبول کرلی اور اس بیوپاری سے کہا فصلوں کی کٹائی بھی آپ کریں گے اور اپنے ہی انتظام سے یہ ساری فصل اناج منڈی میں لے کر جائیں گے تو بیوپاری نے بات مان لی اور پانچ لاکھ روپیہ ایڈوانس زرغم کو دے دیا اور باقی کے تیرہ لاکھ جب ساری فصل کٹ جائے گی تو وہ ادا کردے گا۔ زرغم ہے وہ پانچ لاکھ روپے لا کر رقیہ بیگم کو دے دیئے۔ اگلے ہی دن بیوپاری نے بندے لگا کر فصلوں کی کٹائی شروع کردی۔

جیسے ہی نفاست شاہ کو اس کاروائی کا پتہ چلا کہ اس کے سارے بندے پولیس نے گرفتار کر لئے ہیں اور زمین کا قبضہ بھی چھڑوالیا ہے تو وہ غصے سے تلملا اٹھا اور زرغم کو گالیاں دینے لگا اور اسی روز وہ ڈی پی او صاحب سے ملا اور زرغم کی شکایت کی تو ڈی پی او صاحب بڑے آرام سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہوا تو ڈی پی او صاحب بولے۔ شاہ صاحب کیا اس زمین کے مالک آپ ہیں......؟ تو نفاست شاہ بولا وہ زمین رشید مجھے دس سال کے لئے ٹھیکے پر دے گیا تھا۔ میں اس پر محنت کررہا تھا اور ہر سال ٹھیکے کی رقم رشید کے اہل خانہ کو دیتا ہوں۔ اچھا تو آپ کے پاس کوئی تحریری ثبوت ہو تو دکھائیں اور اس کے علاوہ ٹھیکے کی ادائیگی کا ثبوت بھی دکھائیں تو نفاست شاہ چپ ہوگیا۔ شاہ صاحب آپ کے گرفتاری کارندوں نے آپ کے خلاف بیان دیا ہے کہ آپ کے کہنے پر انہوں نے زمین پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ باقی اگر آپ نے وہ زمین ٹھیکے پر لی ہوتی تو پولیس پر فائرنگ کیوں ہوئی۔ مجھے اس بات کا جواب دیں۔ تو نفاست شاہ پھر خاموش۔ شاہ صاحب اپنی ضمانت کا بندوبست کریں ورنہ زرغم آپ کو بھی گرفتار کرلے گا اور پھر میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرپاؤں گا کیوں کہ آپ کے کارندوں کے بیان کے مطابق آپ ہی نے رقیہ بیگم کی زمین پر قبضہ کیا ہوا ہے اور آپ کے خلاف ٹھوس ثبوت ہیں۔ اب آپ جاسکتے ہیں تو نفاست شاہ فوراً ضلع کچہری گیا اور ایک مہنگا تگڑا وکیل کرکے اپنی ضمانت کروالی۔ نفاست شاہ کی ضمانت کی خبر زرغم کو مل گئی۔ زرغم دن گن رہا تھا کہ کب دس دن پورے ہوں تو وہ رشید اور عبدالحق

باری صاحب کے قاتل نفاست شاہ کو گرفتار کرے۔ زرغم کی اس کارروائی کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی لوگوں کا پولیس پر اعتماد بحال ہونا شروع ہوگیا دوسری طرف نفاست شاہ کے حمایتی اس کے حق میں بولتے اور کہتے کہ یہ سب نفاست شاہ کے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ پولیس شاہ جی کے مخالفوں سے ملی ہوئی ہے اور مخالف نہیں چاہتے کہ شاہ جی آئندہ الیکشن میں حصہ لیں یہ سب ان کو سیاست سے دور رکھنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے تھے۔ پولیس پر تنقید بھی ہو رہی تھی۔ مگر دوسری طرف زرغم جو کررہا تھا وہ بہت پہلے ہوجانا چاہئے تھا اگر اس وقت رشید کے قتل کی صحیح تفتیش ہوجاتی اور مجرموں کو سزا مل جاتی تو نہ رقیہ بیگم کی زمین پر قبضہ ہوتا، نہ شہر میں دہشت گردی ہوتی جس کے نتیجے میں سینکڑوں افراد شہید اور زخمی ہوئے، کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنی سہاگنیں بیوہ ہوئیں، کئی گھرانے تباہ ہوئے، نہ ہی رفیق جیسے اہلکار پولیس میں بھرتی ہوتے اور نہ ہی عبدالحق باری صاحب شہید ہوتے۔ کتنے جرائم ہوئے مگر پولیس کی کارروائی سیاست کی نظر ہوگئی۔ یہی ہمارے ملک کا المیہ ہے اگر مجرم کو اس کے کئے گئے جرم کی سزا فوری مل جائے تو آئندہ ایسے جرائم نہ ہوں۔ نفاست شاہ کے خلاف کیس بہت مضبوط تھے مگر وہ ابھی تک اپنی شاطر بازیوں، چالاکیوں، تعلقات اور پیسے کے بل بوتے پر بچا ہوا تھا مگر جب سے زرغم یہاں آیا تھا تو اس کا جینا محال ہوگیا تھا اس کی راتوں کی نیند اُڑ گئی تھی وہ ہر وقت پریشان رہتا۔ جیسے ہی دس دن پورے ہوئے زرغم اسے گرفتار کرنے گیا تو نفاست شاہ نے ہائی کورٹ کی پکی ضمانت پیش کردی اور بولا اے ایس پی صاحب آپ مجھے گرفتار نہیں کرسکتے یہ سپنا آپ کا سپنا ہی رہے گا آپ کے لئے بہتر یہی ہے کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ بتاؤ کتنی رقم چاہئے۔ رقم لو اور عیش کرو۔ تو زرغم بولا نفاست شاہ میں بکاؤ مال نہیں ہوں اور نہ ہی تم یا کوئی اور مجھے خرید سکتا ہے۔ میرے باپ نے حق حلال کی کمائی سے میری پرورش کی ہے یہ وردی مجھے اللہ نے اس لئے دی ہے کہ میں تم جیسے فرعونوں کو کیفر کردار پر پہنچا

سکوں اور انشاءاللہ پہنچا کر رہوں گا۔آ گے سے نفاست شاہ ہنس پڑا اور کہنے لگا چلو لگا لو
زور گھوڑا بھی حاضر ہے اور میدان بھی۔ نفاست شاہ یاد رکھو نمرود اور فرعون نے بھی
خدائی کے دعوے کئے تھے مگر دیکھو ان کا کیا انجام ہوا۔نمرود کے دماغ میں ایک مچھر
گھس گیا تھا اور اس نے اس کا کیا حشر کیا تا۔فرعون اور اس کا لشکر دریائے نیک میں
غرق ہو گیا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے نشانہ عبرت بن گیا۔ایک ہاتھی کی
کتنی بڑی جسامت ہوتی ہے مگر ایک چیونٹی اس کی سونڈھ میں چلی جائے تو اس کا کیا
حال ہوتا ہے۔ بہرحال میں دیکھتا ہوں تم کب تک بچتے ہو۔ اتنا کہہ کر زرغم پولیس
پارٹی کو لے کر واپس آ گیا......

کلثوم بہت پریشان تھی کیونکہ اتنے دن ہو گئے تھے کریم بخش نہیں آیا تھا اس کا
کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کدھر گیا۔وہ ہر نماز کے بعد رو رو کر اللہ کی بارگاہ میں کریم بخش کی
خیریت کی دعائیں کرتی کیونکہ کریم بخش کا عشق اس کی رگ رگ میں سما گیا تھا وہ بہت
چاہنے لگی تھی اسے۔وہ اسے بہت یاد آ رہا تھا کیونکہ یادیں انسان کے ساتھ محو سفر رہتی
ہیں یہ زندگی کا انمول سائبان ہیں چاند کی طرح یادیں ساتھ چلتی ہیں۔اس حقیقت سے
انکار ناممکن ہے کہ یادیں انسان کے دل کے گرد ہالے کی طرح محسوس ہوتی ہیں۔آج
کلثوم کو کریم بخش بہت یاد آ رہا تھا وہ اس کی جدائی میں تڑپ رہی تھی۔خالد یوسفی ایک
مایہ ناز شاعر جن کی ایک نظم سن کر اس کی آنکھوں سے برسات جاری تھی۔

یادیں پاگل کر دیتی ہیں
آنکھیں جل تھل کر دیتی ہیں
من کو بے کل کر دیتی ہیں
جینا بوجھل کر دیتی ہیں
دل کو گھائل کر دیتی ہیں
یادیں پاگل کر دیتی ہیں

یادیں نیند اڑا دیتی ہیں
سوئے درد جگا دیتی ہیں
دل کو روگ لگا دیتی ہیں
بچھڑوں سے ملوا دیتی ہیں
ایسی ہلچل کر دیتی ہیں
یادیں پاگل کر دیتی ہیں
پل میں اوجھل کر دیتی ہیں
یادیں پاگل کر دیتی ہیں
پل میں جنگل کر دیتی ہیں
یادیں پاگل کر دیتی ہیں

آج لائبہ کی چھٹی ہو گئی تھی اور اس نے کالج جانا تھا۔ زرغم کو صبح صبح اپنے آفس
جانا پڑا تھا تو وہ لائبہ سے کہہ گیا کہ میں آفس سے گاری بھیجتا ہوں تم اس پر چلی جانا،
زرغم جب آفس پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ ڈرائیور ایک ہفتہ کی چھٹی پر گیا ہے اور کوئی
ڈرائیور بھی نہیں ہے۔ جب کریم بخش کو پتہ چلا تو وہ کہنے لگا سر میں گاڑی چلا لیتا ہوں
چار سال نفاست شاہ کے ہاں ڈرائیور کی ڈیوٹی کی ہے تو وہ پولیس کی گاڑی لے کر زرغم
کے گھر پہنچا۔لائبہ جانے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔لائبہ نے اشعر کو رقیہ بیگم کے سپرد کیا اور
کریم بخش کے ساتھ کالج پہنچ گئی۔اسی ٹائم کلثوم بھی آ گئی وہ کریم بخش کو دیکھ کر کھل اٹھی
اور جلدی جلدی اس کے پاس آئی وہ اسے پولیس کی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے
دیکھ کر حیران رہ گئی۔ جب وہ قریب آئی تو کریم بخش گاڑی سے اتر آیا۔اس نے فوراً
لائبہ کا تعارف کروایا کہ یہ باجی لائبہ ہیں۔اے ایس پی زرغم صاحب کی اہلیہ محترمہ اور
انگلش کی نئی پروفیسر صاحبہ تو کلثوم نے فوراً آگے بڑھ کر بڑے ادب اور احترام سے
لائبہ کو سلام کیا لائبہ نے سلام کا جواب دیا تو کریم بخش بولا باجی یہ کلثوم صاحبہ ہیں

نفاست شاہ ایم پی اے کی بیٹی، تو لائبہ نے صرف اچھا کہا۔کلثوم کریم بخش سے مخاطب ہوئی کہ تم کدھر چلے گئے تھے تمہاری کوئی خیر خبر نہیں تھی تو کریم بخش بولا مجھے شاہ جی نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔مگر بھلا ہووے ایس پی صاحب کا تو انہوں ہمارے علاقے کے متعلقہ تانے سے میرا پتہ کروایا تو انہوں نے بتایا کہ میں بے گناہ ہوں۔اگر زرغم صاحب نہ ہوتے تو پتہ نہیں میں کب تک جیل میں رہتا۔مجھ پر کوئی کیس نہیں ہے۔میں اب آزاد ہوں، تو کلثوم نے کریم بخش کو مبارک دی اور پوچھا جب تم پر کوئی کیس نہیں ہے تو تم تھے کہاں؟ وہ اصل میں آپ کے والد صاحب نے مجھے ختم کرنے کا بولا ہے تو میں زرغم صاحب اور پولیس کی حفاظت میں ہوں۔اچھا یہ کہہ کر کلثوم اور لائبہ کالج کے اندر چلی گئیں اور کریم بخش گاری لے کر واپس پولیس اسٹیشن آ گیا۔جو کارندن کلثوم کو کالج چھوڑنے آیا تھا اس نے کریم بخش کو دیکھ لیا جو پولیس کی گاڑی میں لائبہ کو چھوڑنے آیا تھا اس نے جا کر نفاست شاہ کو بتایا تو اس نے دو تین بندوں کی ڈیوٹی لگائی کہ کل جب کریم بخش اے ایس پی کی بیوی کو کالج چھوڑنے آئے تو اسے وہیں سے اٹھا کر لے آنا ہے۔اس کا علاج تو میں خوب کروں گا۔اسی کی وجہ سے پولیس میرے پیچھے پڑی ہے۔لائبہ کو کلثوم بہت اچھی لگی تھی۔اس کا اخلاق بہت اچھا تھا اور وہ بہت لائق بھی تھی۔اتفاق سے جس سیکشن میں اس کا رول نمبر تھا اس سیکشن کی انچارج لائبہ تھی۔
لائبہ کو سیکنڈ ایئر اور تھرڈ ایئر کی کلاسز ملیں، اس ڈگری کالج میں پہلے سے صرف ایک انگلش لیکچرار تھی اب لائبہ کے آنے سے وہاں دو لیکچرار ہو گئیں۔دوسری لیکچرار کے ذمے فرسٹ ایئر اور فورتھ ایئر کی کلاسز کو پڑھانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔پہلے دن لائبہ نے تمام اسٹوڈنٹ لڑکیوں سے اپنا تعارف کروایا اور ان کا تعارف لیا۔لائبہ نے تمام طالبات کو نصیحت کی کہ آپ کے ماں باپ آپ کو پڑھنے کے لئے بھیجتے ہیں تو آپ اپنی ساری توجہ پڑھائی پر مرکوز رکھیں خوب محنت کریں دل لگا کر پڑھیں اور ڈاکٹر، پروفیسر، ٹیچر اور نرسز بنیں۔اپنے ماں باپ اور خاندان کا نام اونچا کریں۔اپنے ماں

باپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہ پہنچانا۔میں چاہتی ہوں میری ہر اسٹوڈنٹ خود مختار بنے اپنے پاؤں پر کھڑی ہو کسی کی مرہون منت نہ ہو۔جو بچیاں پڑھ لکھ کر مختلف محکموں میں جابز کرتی ہیں ان کی بہت عزت ہوتی ہے اور وہ کامیاب رہتی ہیں۔شادی کے بعد دونوں میاں بیوی جب مل کر کماتے ہیں تو ان کے گھر میں خوشحالی آتی ہے۔وہ اپنے خاوند کی دست نگر نہیں ہوتیں اور سب سے بڑی اور اچھی بات یہ ہے کہ سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد تاحیات پنشن ملتی ہے۔اولاد سے کچھ نہیں مانگنا پڑتا انسان کا بڑھاپا بہت اچھا گزرتا ہے۔اگلے دن لائبہ کو کالج چھوڑنے زرغم آیا اس نے کریم بخش کو سختی سے ہدایت کی کہ وہ پولیس اسٹیشن کی عمارت سے باہر نہ نکلے کیونکہ اس کی جان کو خطرہ ہے جب زرغم لائبہ کو چھوڑنے آیا تو اس نے وہاں تین چار مشکوک بندے دیکھے چونکہ زرغم یونیفارم میں تھا اور جب اس نے ان بندوں کی طرف گھور کر دیکھا اور ان سے پوچھا کہ وہ وہاں کیا کر رہے ہیں تو وہ بولے جی ہم اپنی بچیوں کو چھوڑنے آئے ہیں اس کے بعد وہ وہاں سے رفو چکر ہو گئے، اور انہوں نے جا کر نفاست شاہ کو بتایا کہ آج زرغم خود اپنی بیوی کو کالج چھوڑنے ایا تھا اور اس نے ہم سے پوچھا کہ ہم وہاں کیا کر رہے ہیں تو ہم بڑی مشکل سے وہاں سے بھاگے، اچھا تو اس اے ایس پی کے بچے نے کریم بخش کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کیا ہے۔او کے اب تم کل سے کالج نہ جانا......

چند دن گزرے تو محکمہ پولیس میں اے ایس آئی کی بھرتیاں آ گئیں۔تمام امیدواروں کا قد اور چھاتی ناپنے کی، ان کی دوڑ، سائیکل ریس اور تحریری ٹیسٹ کا انچارج ڈی پی او صاحب نے زرغم کو بنا دیا۔جیسے ہی بھرتی کا اشتہار شائع ہوا تو امیدوں کی درخواستیں آنی شروع ہو گئیں۔اہلیت کا معیار تعلیم ایف۔اے۔قد پانچ فٹ چھ انچ چھاتی چھتیس انچ تھی تو زرغم نے کریم بخش سے کہا کہ وہ بھی درخواست جمع کروا دے چنانچہ زرغم نے اس کا ڈومیسائل بنوایا۔ایف اے میں اس کی سیکنڈ ڈویژن

تھی قد اور چھاتی بھی پورا تھا لہٰذا کریم بخش نے بھی درخواست دے دی۔ جب بھرتی کا عمل شروع ہوا تو اس کا قد اور چھاتی بھی ٹھیک تھی وہ اس میں پاس ہوگیا۔ ایک گھنٹے میں پانچ کلومیٹر دوڑ لگانی تھی وہ ٹیسٹ بھی اس نے پاس کرلیا۔ اسی طرح سائیکل ریس میں بھی وہ پاس ہوگیا۔ اب اگلا مرحلہ تحریری امتحان کا تھا تو زرغم اور لائبہ نے مل کر تحریری کا پرچہ بنایا۔ زرغم نے کریم بخش کو کچھ کتابیں دیں اور کہا ان کو پڑھو۔ ایک ہفتے بعد امتحان ہونا تھا تو کریم بخش پورا ہفتہ سارا دن امتحان کی تیاری میں لگا رہتا۔ امتحانی پیپر بنانے اور چیک کرنے کے مرحلے کو اس قدر خفیہ رکھا گیا کہ ڈی پی او صاحب اور زرغم کے علاوہ کسی کو پتہ نہیں تھا۔ لوگ ارد گرد سے پیپر کا پوچھتے تو انہیں بتایا جاتا کہ وہ اسلام آباد سے تیار ہو کر آئے گا۔ زرغم نے اپنے گھر میں پڑے کمپیوٹر میں وہ پیپر بنایا اور اپنے ہی پرنٹر سے اس کی کاپیاں نکالیں۔ زرغم نے وہ پیپر ڈی پی او صاحب کو دکھایا تو انہوں نے اوکے کر دیا۔ زرغم نے وہ پیپر چیک کر کے ایک دن پہلے ڈی پی او صاحب کو دکھایا تو انہوں نے اوکے کر دیا۔ زرغم نے وہ پیپر چیک ایک دن پہلے ڈی پی او صاحب کو خود ان کے آفس دے دیا۔ آج امیدواروں کا تحریری امتحان تھا۔ صبح نو بجے امتحان شروع ہونا تھا، آٹھ بجے سے ہی امیدوار آنا شروع ہو گئے اور انہیں ان کی متعلقہ جگہ پر بٹھا دیا گیا۔ پونے نو بجے ڈی پی او صاحب آ گئے۔ نو بجے تمام امیدواروں کو پیپر تقسیم کر دیا گیا۔ امتحان کی نگرانی ڈی پی او صاحب خود کر رہے تھے وہاں سختی اتنی تھی کہ نقل کا یا چیٹنگ کا کوئی امکان نہ تھا۔ بارہ بجے پیپر ختم ہوگیا۔ زرغم اور دوسرے سینئر افسران نے پیپرز چیک کرنے شروع کر دیئے۔ دو دن کے بعد امتحان میں پاس امیدواروں کی لسٹیں لگا دی گئیں، پاس ہونے والوں میں کریم بخش بھی شامل تھا۔ اب اگلا مرحلہ انٹرویو کا تھا جو ڈی۔ آئی جی صاحب نے لینا تھا۔ دو دن انٹرویو ہوتے رہے اور آخر اگلے روز وہ اے ایس آئی کی پوسٹ میں کامیاب ہونے والوں کی لسٹ لگ گئی۔ اے ایس آئی سلیکٹ ہونے والوں میں کریم بخش بھی تھا وہ بہت

خوش تھا اس کی خوشی دیدنی تھی اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے وہ بار بار زرغم کا شکریہ ادا کرتا تو زرغم آگے سے کہتا کریم بخش یہ تمہاری محنت، لگن اور شوق کا نتیجہ ہے، وہ پیپر میں نے بنایا تھا مگر تم اپنی محنت اور قابلیت کے بل بوتے پر کامیاب ہوئے ہو۔ اس کے بعد نئے بھرتی ہونے والے اے ایس آئی صاحبان نے اپنی جائننگ رپورٹ دے دی اور ایک ہفتہ کے بعد وہ ٹریننگ کے لئے سہالہ چلے گئے۔

موجودہ حکومت کو پانچ سال پورے ہو گئے تھے لہٰذا قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔ نگران حکومت کا قیام عمل میں آ گیا تھا جس نے چھ ماہ کے بعد پورے ملک میں نئے انتخابات کروانا تھے۔ نفاست شاہ کی ایم۔ پی۔ اے شپ ختم ہوگئی تھی اب اس نے ایم این اے کی سیٹ کے لئے الیکشن لڑنا تھا مگر جمشید اختر کا کوئی پتہ نہ تھا کہ اسے زمین کھا گئی ہے یا آسمان نگل گیا ہے، اس نے نفاست شاہ سے وعدہ کیا تھا کہ ایم این اے کی سیٹ کے لئے اسے سرکاری فنڈ دیا جائے گا مگر پچھلے ایک مہینے سے وہ غائب تھا۔ نفاست شاہ نے اسلام آباد انٹیلی جنس بیورو کے ہیڈ آفس سے رابطہ کیا تو اسے بتایا گیا کہ جمشید اختر نام کا کوئی بھی بندہ وہاں ملازم نہیں ہے۔ اب نفاست شاہ کو تشویش ہوئی تو اس نے ارد گرد سے اس کے بارے میں معلومات لینی شروع کر دی کہ وہ کون تھا اور کدھر گیا؟ تین دن کے بعد ایک پولیس اہلکار نے اسے بتایا کہ وہ بھارتی جاسوس تھا جس نے دو بم دھماکے کئے تھے اور پھر پولیس نے اسے اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کرلیا ہے اور اب وہ سب پاک فوج کی حراست میں ہیں۔ اب نفاست شاہ کو سمجھ میں آیا کہ اس نے اس کی معرفت دھماکہ خیز مواد حاصل کیا، انڈیا سے آئے ہوئے وفد کو اس کے ہاں ٹھہرایا اور عبدالحق باری صاحب کو اس کے ہاتھوں شہید کروایا اور نام مرکزی حکومت کا لگایا۔ نفاست شاہ بے بسی اور لاچاری سے ہاتھ ملتا رہ گیا کہ اسے بیوقوف اور الّو بنایا گیا تھا اور وہ اس جمشید کی باتوں میں آ گیا۔ نفاست شاہ اب پریشان ہوگیا۔ اے ایس پی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اگر اسے میرے اور

جمشید اختر کے تعلق کا پتہ چل گیا تو وہ مجھے ہرگز نہیں چھوڑے گا اور کسی بھی عدالت سے اسے اس بار ضمانت نہیں ملے گی۔ اب وہ کیا کرے اس نے بہت سوچا اور آخر ایک فیصلہ کیا وہ یہ کہ اے ایس پی زرغم کو مروا دے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ اس کو کس طرح مروائے؟ اب یہ سوال اس کے ذہن میں تھا وہ اسے اس طریقہ سے قتل کروانا چاہتا تھا کہ اس کا نام نہ آئے......

اس بیوپاری نے رقیہ بیگم کی زمین کی ساری فصلیں کاٹ لیں تھیں اور انہیں اناج منڈی میں شفٹ کر دیا تھا اور باقی رقم تیرہ لاکھ روپے زرغم کو دے دیئے وہ تیرہ لاکھ روپے زرغم نے لا کر رقیہ بیگم کو دے دیئے۔ رات کے کھانے کے بعد رقیہ بیگم نے زرغم اور لائبہ کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو رقیہ بیگم بولی زرغم بیٹا جس طرح تم نے اور لائبہ نے میرا ساتھ دیا ہے۔ مجھے اتنی عزت احترام دیتے ہو اگر میری حقیقی اولاد بھی ہوتی تو ہوسکتا ہے کہ وہ بھی میرا اتنا خیال نہ رکھتی۔ تم نے سگے بیٹے سے بڑھ کر میرا خیال رکھا ہے۔ اب جو بات میں کہنے لگی ہوں یہ ہے کہ میری ایک عرصے سے شدید خواہش ہے کہ میں اللہ کے گھر خانہ کعبہ کی زیارت کروں اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دوں، تو میرا خیال ہے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں حجاز مقدس کا سفر کروں مگر میں اکیلی وہاں نہیں جانا چاہتی میرا دل کر رہا ہے کہ تم دونوں اور اشعر بھی میرے ساتھ جاؤ۔ جس طرح آپ دونوں مجھے اپنے ساتھ لے آئے ہو اور میں نے انکار نہیں کیا اسی طرح اب تم بھی انکار نہیں کرو گے ہم سب مل کر عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے۔ سارا خرچہ میں کروں گی۔ بس مجھے تمہارا ساتھ چاہئے اگر تم نے انکار کیا تو میں سمجھوں گی کہ تم نے مجھے غیر سمجھا۔ نہیں ماں جی آپ غیر نہیں ہیں آپ نے مجھے جنم تو نہیں دیا مگر سگی ماں کی طرح مجھے پیار دیا ہے، میری ماں کی کمی پوری کی ہے۔ آپ کی حکم عدولی کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر ماں جی، تو رقیہ بیگم خوش ہوگئی اور ان کے لئے دل سے دعا کی۔ پھر ایک ہفتے کے اندر ان سب کے پاسپورٹ

بنے اور اگلے ہفتے ویزہ اور ٹکٹ آ گئے۔ آج ان کی لاہور سے جدہ کی فلائٹ تھی ایئر پورٹ پر انہوں نے احرام باندھے اللہ کی بارگاہ میں شکرانے کے نوافل ادا کئے اور پھر جب جہاز روانگی کا اعلان ہوا تو وہ جہاز میں بیٹھ گئے۔ جہاز نے انہیں جدہ ایئر پورٹ پر اتارا اور وہاں سے وہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ حرم شریف پہنچے اور زرغم کی پہلی نگاہ جب خانہ کعبہ پر پڑی تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ وہ خانہ کعبہ کو دیکھتا رہا اور دعائیں کرتا رہا۔ یہی حال رقیہ بیگم اور لائبہ کا بھی تھا۔ پھر انہوں نے عمرہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ زرغم نے اپنا سر منڈوایا۔ وہ دس دن مکہ میں رہے پھر مدینہ شریف پہنچ گئے۔ وہاں روضہ رسول صلی الہ علیہ وسلم پر بڑی عاجزی اور انکساری سے حاضری دی۔ گیارہ دن مدینہ شریف رہے اور پھر مکہ آ گئے اور مزید سات دن وہاں رہے۔ ان کا اٹھائیس روز کا پیکیج تھا۔ چنانچہ وہ واپس آ گئے۔ لاہور آ کر زرغم اپنے والدین کی قبروں پر گیا وہاں فاتحہ پڑھی اور کافی دیر وہاں بیٹھا رہا۔ اس کے بعد وہ رانی پور پہنچ گئے۔ زرغم کی مہینے کی چھٹی تھی لہٰذا اس نے دو دن گھر میں آرام کیا۔ چھٹی ختم ہونے کے بعد وہ اپنے آفس گیا تو اسے ایک ڈاک کا لفافہ ملا جو زرغم کے نام تھا اور اس پر **Most Confidetid** لکھا ہوا تھا۔ زرغم کو بتایا گیا کہ ایک ہفتہ پہلے یہ ہمیں موصول ہوا ہے۔ زرغم نے وہ لفافہ کھولا تو اس میں ایک خط تھا جو کسی آرمی کے میجر صاحب کی طرف سے اسے آیا تھا جس میں لکھا ہوا تھا کہ پاک آرمی نے بھارت کے جاسوسوں سے تفتیش کی ہے روی کمار نے بتایا ہے کہ اس نے وہ دھماکہ خیز مواد فیکٹری سے نفاست شاہ کی معرفت نکلوایا تھا جس کے لئے اس نے فیکٹری کے جنرل منیجر کو خط لکھا تا کہ دھماکہ خیز مواد جمشید اختر کو فراہم کیا جائے۔ چونکہ آپ اس کیس کو ہینڈل کر رہے ہیں تو فیکٹری سے اس لیٹر کی کاپی لے کر نفاست شاہ کو زیر تفتیش لائیں۔ زرغم وہ لیٹر لے کر فوراً ڈی پی او صاحب سے ملا اور انہیں وہ لیٹر دکھایا تو انہوں نے زرغم کو اجازت دے دی کہ وہ ہر طرح کی تفتیس کر سکتا ہے۔ اس کے بعد زرغم

دھماکہ خیز مواد بنانے والی فیکٹری گیا اور جنرل مینجر سے ملا۔ تو اس نے دھماکہ خیز مواد جاری کرنے والا ریکارڈ منگوایا تو اس میں نفاست شاہ کا سفارشی لیٹر موجود تھا۔ اس نے اس لیٹر کی کاپی کروائی جس میں اس سن رائزنگ سٹون کریشنگ پلانٹ کے لئے دھماکہ خیز مواد فراہم کرنے کا لکھا تھا۔ زرغم نے کریشر مارکیٹ کو چھان مارا مگر اس نام کا کوئی کریشنگ پلانٹ نہیں تھا۔ مطلب ساری فرضی کارروائی تھی۔ روی کمار نفاست شاہ کے بہت قریب تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ دہشت گردی میں نفاست شاہ ملوث تھا۔ بھارت کے جاسوسوں کا سہولت کار تھا۔ یہ تو اس سے تفتیش کے بعد ہی پتہ چلنا تھا۔ زرغم نفاست شاہ کے اس لیٹر کی کاپی لے کر ڈی پی او صاحب کے پاس گیا اور انہیں دکھائی اور بتایا کہ سن رائزنگ سٹون کریشنگ پلانٹ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ یہ سب فرضی ہے میں نے خود پوری تحقیق کی ہے تو ڈی پی او صحب کہنے لگے یہ تو بہت بڑا ثبوت نفاست شاہ کے خلاف ہے۔ اب تم اسے گرفتار کر سکتے ہو۔ اس معاملہ میں اب کوئی بھی عدالت اس کی ضمانت قبول نہیں کرے گی او کے تم ہوشیار رہ کر اسے گرفتار کرو، زرغم وہاں سے اٹھا اور اپنے آفس واپس آ کر اس نے نفری تیار کی اور تین گاڑیوں میں نفاست شاہ کی حویلی پر ریڈ کیا وہ وہاں نہیں تھا اسے بتایا گیا کہ وہ اپنی زمینوں پر گیا ہے تو زرغم نفری کے ساتھ اس کی زمینوں پر گیا وہاں وہ اپنے پندرہ بیس کارندوں کے ساتھ موجود تھا مگر جیسے ہی پولیس پارٹی ان کے قریب پہنچی تو نفاست شاہ کے حکم سے اس کے کارندوں نے پولیس پر فائرنگ شروع کر دی۔ جواباً پولیس نے بھی فائرنگ کی۔ دس سے پندرہ منٹ دونوں پارٹیوں کے درمیان فائرنگ ہوتی رہی اور اسی فائرنگ کا فائدہ اٹھا کر نفاست شاہ وہاں سے فرار ہو گیا۔

نفاست شاہ نے جب دیکھا کہ زرغم بکنے والا نہیں ہے تو اس نے لائبہ کو اغواء کرنے کا پلان بنایا۔ صبح کے ٹائم جب لائبہ کالج آئی اور رکشہ سے اتر کر کالج کے گیٹ کی طرف بڑھی تو نفاست شاہ کے دو تین کارندے سامنے آ گئے اور اس پر اسلحہ تان لیا

اور ایک عورت نے لائبہ کا بازو پکڑ کر کھینچا اور اسے ایک گاڑی میں بٹھا لیا اور اگلے ہی لمحے وہ گاڑی گرد اڑاتی وہاں سے چلی گئی۔ کالج کا چوکیدار بھی پریشان ہو گیا اور اس نے فوراً پرنسپل تک لائبہ کے اغواء کی خبر پہنچائی۔ پرنسپل نے اسی وقت فون کر کے زرغم کو بتایا تو اس نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کروا دی اور نفاست شاہ کے اڈوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے مگر لائبہ کہیں پر نہیں تھی۔ شام کو زرگم کو ایک کال موصول ہوئی۔ کال کرنے والا نفاست شاہ تھا اس نے زرغم سے کہا کہ اگر تم زندہ سلامت خیریت سے اپنی بیوی کی واپسی چاہتے ہو تو اس پر قائم کئے گئے تمام مقدمات ختم کر دو۔ تمہارے پاس چوبیس گھنٹے کا ٹائم ہے۔ ورنہ تمہاری بیوی کی لاش تمہیں ملے گی۔ یہ سن کر زرغم کانپ گیا مگر اس نے اپنے حواس قابو میں رکھے اور کہنے لگا نفاست شاہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو باقی زندگی اور موت میرے اللہ کے اختیار میں ہے۔ تم میری بیوی کی موت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اے ایس پی زرغم صاحب میں تمہیں چوبیس گھنٹوں کی مہلت دے رہا ہوں اور انہی گھنٹوں میں تم فیصلہ کر لو، ٹھیک کل اسی وقت میں تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔ یہ کہہ کر نفاست شاہ نے کال کاٹ دی۔ زرغم نے فوراً کال کرنے والے کی لوکیشن کا پتہ کروایا تو وہ شہر سے دور ایک پی سی او کا نمبر تھا۔ جہاں سے اسے کال کی گئی تھی۔ زرغم نے شہر کے تمام پی سی اوز کی لسٹ منگوائی اور پھر سی پی او پر ایک ایک پولیس اہلکار تعینات کر دیا اور انہیں سختی سے ہدایت کی کہ ہر کال کرنے والے کی نگرانی کرنی ہے۔ گھر آ کر زرغم نے رقیہ بیگم کو لائبہ کے اغواء کے بارے میں بتایا تو یہ سن کر وہ بہت پریشان ہوئیں اور رونے لگیں تو زرغم بولا ماں جی صبر سے کام لیں اور اللہ کے حضور دعا کریں کہ خیر خیریت سے لائبہ واپس آ جائے۔ تو رقیہ بیگم بولی بیٹا ان آنسوؤں پر میرا کوئی زور نہیں ہے۔ رقیہ بیگم نے اٹھ کر وضو کیا اور سورۃ یٰسین مبارکہ کی تلاوت شروع کر دی۔ زرغم بہت پریشان ہو گیا۔ نفاست شاہ پر بنا دہشت گردی کا کیس بڑا ہی سخت تھا۔ اس کیس کو وہ تو کیا آئی جی

صاحب بھی ختم نہیں کر سکتے تھے۔نفاست شاہ جرائم پیشہ آدمی ہے۔اس کیخلاف جرائم کی ایک لمبی لسٹ ہے۔ اس کا پکڑا جانا بہت ضروری ہے۔ زرغم نے سول لائن اہلکاروں کو نفاست شاہ کی حویلی کے اردگرد اور اس کے دیگر ٹھکانوں کے پاس بھیج دیا اور ہدایت کی کہ جیسے ہی نفاست شاہ نظر آئے تو فوراً اسے اطلاع دیں۔

ڈاکٹر عبدالحق باری صاحب کی نماز جناہ ادائیگی کے بعد تین سے چار گھنٹے ان کی زیارت کرت رہے۔ایک جم غفیر نے ان کی نماز جماز پڑھی ارزیارت کررہے تھے ان کے چہرے پر نور تھا اور لبوں پر مسکان تھی۔۔ایسے لگتا تھا کہ وہ میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ ان کے چہرے پرنور کیوں نہ ہوتا ان کی ساری زندگی انتہائی پاکیزگی، اللہ کی عبادت اور اطاعت رسول میں گزری تھی۔جس حد تک بھی ان سے ہوتا وہ مخلوق خدا کی خدمت کرتے تھے۔وہ اللہ کے مقبول بندے اور ولی اللہ تھے۔پھر ان کو رانی پور میں ان ہی کی زمین میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ان کی قبر کے ساتھ کافی خالی زمین پڑی تھی تو یہ فیصلہ ہوا کہ وہاں ایک مجسد بنادی جائے۔چنانچہ دوسرے روز ہی وہاں مسجد کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا تھا۔اور ساتھ ہی ان کے مزار کی تعمیر بھی شروع ہوگئی۔شہر کر ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر اس تعمیر میں حصہ لے رہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک عالی شان مسجد اور ان کا مزار بن گیا۔اب تو ان کے مزار پر لنگر پکنا شروع ہوگیا ہر خاص وعام کو وہاں لنگر کھانے کی آزادی تھی۔لنگر میں دوپہر کا کھانا بنتا اور لوگ آکر تناول کرتے۔مگر وہاں کوئی مجاور نہیں تھا۔اور نہ ہی چندہ کے لئے کوئی گلا وغیرہ کھا گیا تھا۔جس نے جو رقم بھی دینی ہوتی تھی۔ وہ صرف لنگر کے لئے وصول کی جاتی اور باقاعدہ اس کی رسید جاری کی جاتی۔ان کے مزار کے ساتھ بہت بڑی جامع مسجد بنادی گئی۔ جہاں پانچ وقت کی نماز اور نماز جمعہ کا اہتمام کیا جاتا۔ان کے مزار پر ہر وقت لوگوں کا رش رہتا، لوگ وہاں آتے سورت فاتحہ، سورۃ اخلاص اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔وہاں ایک خاص بات ہر شخص نے نوٹ کی وہ یہ کہ ہاں آنے والا ہر شخص سکون محسوس کرتا۔اور بڑی دیر

تک وہاں بیٹھا رہتا۔اور دوسری جو خاص جماعت تھی وہ یہ کہ وہس آخر اللہ کے حضور جو بھی دعا مانگی جاتی وہ قبول ہوجاتی اس وجہ سے ہر وقت وہاں حاضری دینے والوں کا رش رہتا۔خاص طور پر جمعرات کو وہاں بہت رش ہوتا۔لوگ جوق در جوق حاضری کے لئے آتے اب تو وہاں باقاعدہ محفل سماع منعقد کی جانے لگی۔علاقے کے مشہور قوال وہاں آکر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے۔عارفانہ کلام قوالی کی شکل میں گاتے لوگ وہ کلام سن کر بہت محظوط ہے۔

اگلے دن زرغم کو پھر نفاست شاہ کی کال آئی اور اس نے پوچھا۔کہ بتاؤ کیا سوچا ہے۔؟ تو زرغم نے جواب دیا کہ اعلیٰ حکام سے میری بات چیت چل رہی ہے۔اس پر بنے کیسز ختم کرنے پر غور خوض ہو رہا ہے جیسے ہی ان کی طرف سے مجھے کوئی جواب موصول ہوتا ہے میں تمہارے کیسز ختم کردوں گا تو نفاست شاہ بولا کوئی چالاکی یا ہوشیاری دکھانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اپنی بیوی سے ہاتھ دھوبیٹھو گے۔ٹھیک ہے تمہیں چوبیس گھنٹے کی اور مہلت دیتا ہوں، یہ آخری مہلت ہے اس کے بعد کام آر یا پار ہوگا اور نتائج کے تم خود ذمہ دار ہوگے اتنا کہہ کر نفاست شاہ نے کال کاٹ دی۔زرغم نے وہ کال ٹریس کی تو پتہ چلا کہ وہ ضلع خیر آباد کے ایک پی سی او سے کی گئی تھی زرغم کو اس کے غم میں کھانا پینا تک بھول گیا تھا۔رقیہ بیگم الگ روتی اور اشعر نے رو رو کر برا حال کرلیا تھا۔زرغم بہت پریشان تھا اچانک اسے خیال آیا کہ وہ عبدالحق باری صاحب کے مزار پر جائے چنانچہ اس نے موٹر سائیکل نکالا اور ان کے مزار پر پہنچ گیا۔وہاں وضو کرکے اس نے مزار پر حاضری دی کلام پاک کی تلاوت کی تو اسے بہت سکون ملا وہ وہیں بیٹھ گیا اس نے رب کے حضور لائبہ کے ملنے کی دعا کی تو اتنے میں ملک کے مشہور قوال صاحبزادہ عظیم میاں قوال نے سرگودھا شہر کے مشہور اور مایہ ناز شاعر خالد یوسف کی مشہور غزل کے سر چھیڑے اور غزل کو قوالی کے انداز میں پڑھنا سروع کیا۔

اے میرے ہمدم تجھے ڈھونڈوں کہاں

سونا سونا لگ رہا ہے یہ جہاں

تناہ سفر زیست کیسے طے کروں

میں اکیلا غم کا اک کوہ گراں

تیرے بن کیسے گزاروں یہ بتا

زندگی ہے امتحان در امتحاں

راستہ پرخار ہے سنسان ہے

نظروں سے اوجھل ہے منزل کا نشاں

سنگ تیرے کٹتا آسانی کے ساتھ

لگ رہا ہے یہ سفر اب رائیگاں

قوال نے اپنی مدھر اور خوبصورت آواز میں بہترین دھن سے مزین یہ غزل جب گائی تو جمع پر ایک سکوت طاری ہوگیا۔ زرغم بھی جھوم گیا اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اس کے دل میں لائبہ کے ملن کی آس تھی وہ اس کی جدائی میں تڑپ رہا تھا۔ قوالی کب کی ختم ہوچکی تھی مگر زرغم وہیں بیٹھا تھا۔ یکدم اسے کچھ خیال آیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے موٹر سائیکل کا رخ ڈسٹرکٹ جیل کی طرف تھا۔ جیل پہنچ کر وہ سپرنٹنڈنٹ جیل سے ملا، انہیں بے وقت رحمت دینے پر معذرت کی تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے کہا زرغم صاحب معذرت کی کوئی ضرورت نہیں، آپ حکم کریں۔ تو زرغم کہنے لگا۔ حکم نہیں بس گزارش ہے اور وہ یہ کہ ماکھا اور قربان نامی دو قیدی آپ کے پاس ہیں تو آپ ابھی میری ان سے ملاقات کروادیں۔ انہوں نے رجسٹر چیک کیا تو بولے ہاں ہیں ٹھیک ہے آپ تھوڑا انتظار کریں میں انہیں ابھی بلواتا ہوں، آپ بڑے مناسب ٹائم پر آئے ہیں کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد قیدیوں کی گنتی کرکے انہیں بیرکوں میں بھیج دیا جاتا ہے تو پھر ان سے کوئی بھی ملاقات نہیں کرسکتا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اپنے ایک اہلکار سے ماکھے اور قربان کو لانے کے لئے بولا تو

پندرہ منٹ کے بعد وہ دونوں اس کے سامنے تھے۔ زرغم نے کہا سیٹھ جاؤ تو وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ زرغم کچھ دیر سوچتا رہا اور بولا اپنے جس آقا کی خاطر تم نے اتنے غلط اور برے کام کئے ہیں اور قتل و غارت کی ہے اس نے تو تمہیں پہچاننے سے انکار کردیا ہے اور کہا ہے کہ نہ تو تم لوگ اس کے ملازم ہو اور نہ ہی وہ تمہیں جانتا ہے۔ اسی بات کی بنیاد پر اس کی ضمانت ہوگئی ہے۔ تو آگے سے وہ بولے سر ہمیں یہ بات پتہ چل گئی ہے اور ہمیں اس بات کا بہت دکھ ہے اس نے اپنی جان تو بچالی ہے اور ہمیں موت کے منہ میں دھکیل ہے۔ جان تو اب اس کی بھی نہیں بچے گی اسی جیل میں وہ ایک نہ ایک دن ضرور آئے گا۔ اچھا اب تم دونوں میری ایک بات غور سے سنو۔ نفاست شاہ نے میری بیوی کو اغوا کرلیا ہے اور وہ خود بھی مفرور ہے، تم لوگ اگر چاہتے ہو کہ وہ بھی پکڑا جائے اور اسی جیل میں آئے تو تم دونوں سے میری درخواست ہے کہ اس کے خفیہ ٹھکانوں کا مجھے پتہ بتادو جہاں اس نے میری بیوی کو رکھا ہے اور جہاں وہ خود چھپ کر بیٹھا ہے۔ اگر میری بیوی مجھے مل گئی اور وہ پکڑا گیا تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے کیس میں تم لوگوں سے نرمی کروں گا کہ تمہیں کم سے کم سزا ہو تو ماکھا اور قربان بولے سر آپ اسے ضرور گرفتار کریں اور اس جیل میں لائیں تو اس کے ساتھ دو دو ہاتھ تو ہم خود کریں گے۔ وہ پکڑا تو تب جائے گا ناں جب آپ مجھے اس کے خفیہ ٹھکانوں کا تم بتاؤ گے۔ ٹھیک ہے سر میں بتاتا ہوں۔ ماکھا بولا ایک تو اس کا ٹھکانہ رانی پور کی جنوبی سائیڈ پر پندرہ کلومیٹر دور اس کے بہت خاص اور قریبی دوست عنصر حیات کا ڈیرہ ہے مجھے نوے فیصد یقین ہے کہ آپ کی بیوی کو اس نے وہاں رکھا ہوگا۔ اس کے ڈیرے پر بڑے خونخوار کتے ہیں جو دو منٹ میں ایک انسان کو چیر پھاڑ دیتے ہیں اور دوسرا وہاں ہر بندے کے پاس جدید اسلحہ ہے۔ وہاں کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا اس ڈیرے میں ایک تہہ خانہ ہے اور لازمی سی بات ہے کہ اس تہہ خانہ میں آپ کی بیوی ہوگی۔ نفاست شاہ کا دوسرا ٹھکانہ ضلع خیرآباد کے ایک پوشہ علاق رضا ٹاؤن میں ہے جہاں اس کا

دوسرا دوست علی نواز رہتا ہے۔ وہاں اس کی ایک کنال کی کوٹھی ہے وہ خود وہیں پر چھپ
کر بیٹھا ہوگا۔ اس کا تیسرا ٹھکانہ بھی ہے مگر وہ ان اس کے نہ ہونے کے چانسز ہیں۔
کیونکہ رضا ٹاؤن والا ٹھکانہ سب سے محفوظ ہے اور کسی کو اس کا پتہ نہیں ہے۔ ہم نے
اتفاقاً ایک دن اسے وہاں سے پک کیا تھا کیونکہ وہ ہم پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ تو سر ہماری
نظر میں یہ ہی اس کے تین خفیہ ٹھکانے ہیں آپ ان ٹھکانوں پر ریڈ کریں وہاں سے
آپ کو ضرور کچھ نہ کچھ ملے گا۔ زرغم نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چلا
آیا۔ اس نے رات کو وہاں ریڈ کا فیصلہ کیا۔ پولیس پارٹی تیار کی۔ ریڈ سے پہلے اس نے
دو پولیس اہلکار عام دیہاتیوں کے روپ میں وہاں بھیجے کہ عنصر حیات کے ٹھکانے کی
نگرانی کریں۔ ان دونوں اہلکارون کے پاس پسٹل اور وائرلیس سیٹ تھے۔ ان
دونوں کو بھیج کر وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ رات گیارہ بجے ان اہلکاروں نے
وائرلیس پر اطلاع دی کہ اس ڈیرے پر خاموشی چھائی ہے مگر اندر لائٹیں آن ہیں اور
کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی آ رہی ہیں۔ تو زرغم نے کہا کہ تم لوگ وہیں رکو ہم
آتے ہیں اس کے بعد وہ نفری کے ساتھ چل پڑے۔ رات کے بارہ بجے وہ ڈیرے
کے قریب پہنچ گئے۔ زرغم نے گاڑیاں کافی دور کھڑی کر دیں تا کہ ان کی آواز نہ آئے۔
وہ پیدل چل کر ڈیرے پر پہنچے۔ ڈیرے پر گہرا سکوت طاری تھا۔ پولیس پارٹی نے اس
کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ ابھی زرغم اس میں داخل ہونے کے لئے کوئی راستہ
ڈھونڈ رہا تھا کہ یکلخت تین خونخوار بھیڑیوں جیسے کتوں نے ڈیرے سے چھلانگیں لگائیں
اور تیزی سے دوڑتے ہوئے پولیس کی طرف بڑھے مگر پولیس کی فائرنگس ے وہ تینوں
کتے وہیں ڈھیر ہو گئے۔ فائرنگ کی آواز سن کر ایک بندے نے دروازہ کھولا اور ادھر
ادھر دیکھنے لگا تو زرغم نے آگے بڑھ کر اس کی کنپٹی پر پسٹل رکھ دیا اور اس کے ہاتھ سے
گن چھین لی اور اس کو ایک ہلکار کے حوالے کر کے اندر داخل ہوا باقی پولیس والے بھی
اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ وہ ڈیرہ باہر سے جتنا بدنما تھا اندر سے اتنا ہی

خوبصورت اور پختہ تھا۔ زرغم دھیرے دھیرے چلتے ہوئے آگے بڑھا۔ آگے ایک اور
دروازہ تھا وہ اس میں داخل ہوئے جہاں ایک بندہ گہری نیند سو رہا تھا۔ زرغم نے اس کو
جگایا اور باقی بندوں کا پوچھا۔ اگلے پانچ منٹ میں چھ افراد گرفتار کر لئے گئے۔ پھر زرغم
نے تہہ خانے کا پوچھا تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ زرغم کے تین چار تھپڑوں
سے ان کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور وہ تہہ خانے تک لے گئے۔ تہہ خانے میں داخل ہو
کر زرغم نے کہا لائٹیں آن کرو جیسے ہی لائٹیں آن ہوئیں تو زرغم نے دیکھا تین عورتیں
جن کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے وہ فرش پر آڑھی ترچھی پڑی ہوئی تھیں اور سوتے
جاگتے کی کیفیت میں تھیں۔ ان تین عورتوں میں ایک لائبہ بھی تھی جیسے ہی اس کی نظر
زرغم پر پڑی تو وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ زرغم نے آگے بڑھ کر اُسے سہارا دیا اور فوراً
اس کے ہاتھ کھولے تو وہ روتے ہوئے زرغم کے گلے لگ گئی۔ زرغم نے اسے حوصلہ اور
تسلی دی اور اپنے سے الگ کیا۔ باقی دو عورتوں کے بھی ہاتھ کھولے انہیں بھی اغواء کیا
گیا تھا۔ زرغم نے ان سب کو ساتھ لیا اور تھانے میں آ گیا۔ ایس۔ ایچ۔ او سے کہا ان
دونوں عورتوں کے بیان ریکارڈ کرواور انہیں بحفاظت ان کے گھروں تک پہنچاؤ۔ اس
کے بعد زرغم نے لائبہ کو گھر چھوڑا اور پولیس کی نفری کے ساتھ رات کے دو بجے خیر آباد
کے علاقے رضا ٹاؤن پہنچا۔ رات کا ٹائم تھا سڑکیں سنسان تھیں کوئی بندہ بھی نہیں تھا۔
رضا ٹاؤن بڑا علاقہ تھا اب وہ علی نواز کے گھر کا کس سے پوچھے۔ اتفاق سے اس
علاقے کا چوکیدار گشت کرتا نظر آ گیا تو زرغم نے اس سے علی وناز کے گھر کا ایڈریس
پوچھا تو اس نے بتا دیا بلکہ زرغم نے اسے ساتھ لیا اور چار پانچ گلیاں اور بازار چھوڑ کر
آگے کارنر والی ایک کنال کی کوٹھی تھی۔ اس کوٹھی کی دیواریں اونچی تھیں جن کے اوپر
خاردار باڑ لگی ہوئی تھی جس کے ساتھ ایک بجلی کی تار لگی ہوئی تھی۔ زرغم نے اندازہ لگایا
اس خاردار تار میں بجلی ہوگی۔ کوٹھی کے اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ زرغم نے
گاڑی کے ٹول بکس سے ایک اسکرو ڈرائیور اور پلاس نکالا۔ سب سے پہلے اس نے بجلی

کے میٹر سے تاریں نکالیں جس سے اس کوٹھی میں بجلی کی سپلائی منقطع ہوگئی۔ پھر دواہلکار دیواروں پر چڑھے اور پلس سے خاردار تار کاٹی اور اندر کود گئے۔ کوٹھی کے مین گیٹ کو تالا نہیں لگا تھا صرف کنڈی لگی ہوئی تھی۔ اہلکار نے گیٹ کھول دیا زرغم نے ایک اہلکار سے کہا کہ بجلی کی تاریں میٹر میں لگا دیں۔ تو تھوڑی دیر کے بعد گھر کی بجلی بحال ہوگئی پھر زرغم نے مین دروازے پر دستک دی۔ بار بار دستک دینے پر دروازہ کھلا تو ایک بڑی بڑی مونچھوں والا شخص سامنے آیا اور حیرانگی سے پولیس کو دیکھنے لگا وہ گہری نیند سے بیدار ہوا تھا اور پولیس کو دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ زرغم نے اس سے نفاست شاہ کا پوچھا تو وہ بولا کون نفاست شاہ؟ وہ کسی نفاست شاہ کو نہیں جانتا۔ یہ علی نواز کا گھر ہے......؟ جی ہاں یہ علی نواز صاحب کا گھر ہے۔ زرغم نے پوچھا وہ کدھر ہے......؟ تو وہ بولا اپنے کمرے میں سو رہے ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ ان کے علاوہ اور کون کون ہے گھر میں......؟ جی بس ان کے ایک دوست ہیں جو کل ہی یہاں آئے ہیں اور صبح انہوں نے چلے جانا ہے۔ جس کمرے میں وہ سو رہا ہے اس کمرے تک لے چلو چنانچہ وہ زرغم کو ساتھ لے کر ایک کمرے کی طرف گیا۔ دروازہ ویسے بند تھا کنڈی نہیں لگی تھی۔ زرغم نے دروازہ کھول کر لائٹ آن کی تو دیکھا بیڈ پر نفاست شاہ سو رہا تھا۔ جو ابھی چند سیکنڈ پہلے دروازہ کھولنے کی آواز سے بیدار ہوا تھا۔ زرغم اور دیگر پولیس افسران کو دیکھ کر وہ حیران پریشان رہ گیا اور بولا اے ایس پی تم یہاں تک کیسے پہنچے......؟ زرغم کہنے لگا تمہارے دوست عنصر حیات کے ڈیرے سے اپنی بیوی اور دو عورتوں کو جن کو تم نے یرغمال بنایا تھا وہ بازیاب کرلیا ہے۔ اور اب تمہارے دوسرے دوست علی نواز کا گھر بھی ڈھونڈ لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ناں ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ نفاست شاہ تم کیا چیز ہو اور تمہاری کیا اوقات ہے۔ کہاں تک بھاگو گے۔ تم نے بہت عیش وعشرت کرلی ہے، کئی بے گناہوں کو قتل کروایا ہے۔ تمہارا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ تم نے بھارت کی خفیہ تنظیم ''را'' کے جاسوس روی کمار کو دھماکہ خیز مواد فراہم کرنے میں بڑی مدد کی ہے

تمہاری ایما پر ہی اسے چالیس کلوگرام دھماکہ خیز مواد فیکٹری والوں نے دیا تھا جو اس نے دہشت گردی کے لئے استعمال کیا جس کے نتیجے میں سینکڑوں لوگ شہید اور زخمی ہوئے اس کے بعد میری بیوی کو اغوا کرلیا۔ نفاست شاہ تمہارے جرائم کی فہرست بہت لمبی ہے۔ اب تم کہیں نہیں بھاگ سکتے اب چپ چاپ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کردو۔ نفاست شاہ نے شکست خوردہ نظروں سے زرغم کی طرف دیکھا اور اس طرح کا تاثر دیا کہ وہ بیڈ سے اٹھنے لگا ہے۔ یکلخت اس نے تکیہ کے نیچے سے ریوالور نکالا اور اگلے ہی لمحے اپنی کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور نفاست شاہ کی لاش فرش پر لڑھک گئی۔ نفاست شاہ اپنے بدترین انجام بد کو پہنچ گیا اس نے حرام موت کو گلے گا لیا۔ ریوالور کے دھماکے کی وجہ سے علی نواز بھی بیدار ہوگیا اور پولیس کو دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ جب اس نے نفاست شاہ کی لاش جو کہ خون میں لت پت تھی اور اس کی کھوپڑی ہی اڑ گئی تھی وہ دیکھ کر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ جب اس کے حواس درست ہوئے تو زرغم نے اس سے کہا مسٹر علی نواز زیر حراست ہو۔ ایک مفرور مجرم کو اپنے گھر میں پناہ دینے کے جرم میں تمہیں گرفتار کرتا ہوں۔ ایک اے ایس آئی نے آگے بڑھ کر اُسے ہتھکڑی پہنا دی۔ پھر انہوں نے ایمبولینس بلا کر نفاست شاہ کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے سول اسپتال پہنچایا اور علی نواز کو ساتھ لے کر متعلقہ پولیس اسٹیشن آگئے جہاں اس نے ایس ایچ او سے کہا کہ اس کے خلاف ایف آئی آر درج کر کے اس کو حوالات میں بند کردو۔۔۔

یہ ساری کارروائی کرتے کرتے صبح ہوگئی تمام امور سے فارغ ہوکر زرگم گھر آیا تو لائبہ اس سے لپٹ گئی اور رونے لگی بڑی مشکل سے اسے چپ کروایا اور نفست شاہ کا بتایا کہ گرفتاری سے پہلے ہی اس نے خودکشی کرلی ہے۔ لائبہ نے بتایا کہ ان ظالموں نے میرے ہاتھ باندھ دیئے تھے اور بہت دھمکیاں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر زرغم نے نفست شاہ کے خلاف بنے کیس ختم نہ کئے تو وہ مجھے جان سے مار دین گے۔ میں نے

دو دن اور ایک رات بڑی مشکل سے گزاری ہے۔ دیکھو لائبہ یہ بھی ہمارا امتحان تھا اور الحمدللہ ہم اس امتحان میں سرخرو ہوئے ہیں۔ اب اس بات کو برا سپنا سمجھ کر بھولنے کی کوشش کرو وہ سب ظالم اپنے کیفر کردار تک پہنچ گئے ہیں۔ اچھا اب جلدی سے ناشتہ بناؤ میں ساری رات کا جاگا ہوا ہوں۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد پھر آفس جاؤں گا۔ زرغم نہانے کے لئے چلا گیا اور لائبہ ناشتہ بنانے میں مصروف ہوگئی۔ ناشتہ کرنے کے بعد زرغم دو گھنٹے سویا اور پھر اپنے آفس پہنچ گیا۔ ادھر پوسٹ مارٹم کے بعد نفاست شاہ کی لاش اس کی حویلی میں پہنچا دی گئی تھی اور عصر کی نماز کے بعد اس کے جنازے کا اعلان ہوا۔ اس کی حویلی میں کہرام مچا ہوا تھا اس کی تینوں بیویاں اور اولادیں رو رہے تھے۔ ہر بندہ اس کی خودکشی پر حیران تھا لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ جتنے منہ اتنی باتیں والی مثال فٹ آ رہی تھی۔ بہر حال عصر کی نماز کے بعد اس کا جنازہ ہوا اور اسے سپرد خاک کر دیا گیا۔ زرغم نے ایک لیٹر لکھ کر ساری صورتحال پارک آرمی کے میجر صاحب کو لکھ دی۔ ادھر ہری داس، روی کمار، اروپ گپتا اور ارون ورما کے خلاف فوجی عدالت میں ان کے کیس کا ٹرائل ہو رہا تھا۔ ان چاروں کے پاس اپنی صفائی کے لئے کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ ان کے اعتراف جرم اور اقبالی بیانوں کے بعد عدالت نے انہیں سزائے موت سنادی۔ بھارتی ایمبیسی کے ہائی کمشنر کو ان چاروں کی سزائے موت کا بتا دیا گیا مگر اس کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ پھر ایک صبح ان چاروں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور ان کی لاشیں ان کے دھرم کے مطابق جلا دی گئیں، اس طرح وہ چاروں مجرم اپنے انجام کو پہنچ گئے حکومت نے ان تمام سرحدی علاقوں کی نگرانی سخت کر دی خاص طور پر ساحل سمندر کے کوسٹل گارڈز کو چوکنا کر دیا گیا ان کی نفری بڑھا دی گئی اور چوبیس گھنٹے سمندری سرحد پر انہیں چوکس کر دیا گیا کہ آئندہ بھارت کا کوئی بھی جاسوس پاکستان میں نہ آ سکے کیونکہ وہ تینوں جاسوس سمندر کے راستے پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔ اور یہ کوسٹل گارڈز کی نااہلی تھی۔ جن کی وجہ سے

بہت بڑے پیمانے پر دہشت گردی کی واردات ہوئی۔ مولانا عبدالحق صاحب کی شہادت ہوئی۔ اگر وہ تینوں مجرم نہ پکڑے جاتے تو آئندہ بھی انہوں نے اس قسم کی وارداتیں کرنا تھیں۔

نفاست شاہ کی موت کے تین ماہ بعد ملک میں الیکشن کے سلسلہ میں کاغذات نامزدگی جمع ہونے شروع ہوگئے تھے۔ صوبائی اسمبلی کی سیٹ کے لئے کوئی بھی قابل ذکر شخصیت سامنے نہیں آ رہی تھی علاقے کے تمام معززین سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ الیکشن کے لئے کس امیدوار کو منتخب کریں، تو کافی صلاح مشورہ اور سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اس بار الیکشن کے لئے موزوں امیدوار نفاست شاہ کی بیٹی کلثوم مناسب رہے گی۔ کیونکہ نفاست شاہ نے علاقے میں کچھ کام بھی کروائے تھے سڑکیں بنوائی تھیں، بہت سارے علاقے کو بجلی کی سہولت دی، سوئی گیس منظور کروائی تو باقی کے جو کام رہتے ہیں وہ شاہ صاحب کی بیٹی جو کہ پڑھی لکھی ہے اس کا اخلاق بھی بہت اچھا ہے سمجھدار ہے اور غریبوں کی حامی ہے تو اسے ایم پی اے بننا چاہئے۔ چنانچہ ان تمام معززین کی بیویاں اور گھر کی دوسری عورتیں ایک وفد کی صورت میں فناست شاہ کی پہلی بیوی زہرا شاہ کے گھر گئیں، کلثوم بھی گھر میں تھی تو وہ ماں بیٹی اتنی عورتوں کو دیکھ کر حیران پریشان رہ گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حرف مدعا ان کی زبان پر آ گیا۔ اور انہوں نے تمام معززین علاقہ کا فیصلہ انہیں سنایا کہ اس بار کلثوم بی بی الیکشن میں حصہ لیں گی اور تمام اہل علاقہ ووٹ دیں گے۔ معززین کا یہ فیصلہ سن کر وہ ماں بیٹی ورطہ حیرت میں گم ہوگئیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ زہراء شاہ نے کہا دیکھیں بچی ابھی کمسن ہے اور پڑھ رہی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے......؟ تو عورتوں نے جواب دیا خیبر سے کلثوم بی بی کی عمر تقریباً بیس سال ہے اور بالغ ہے بارہ جماعتیں پاس ہے ہمارے پاس تو اس عمر میں دو دو بچے بھی ہوگئے تھے۔ زہرا شاہ بولی وہ ٹھیک ہے مگر یہ اتنی بڑی ذمہ داری کا کام ہے یہ کیسے نباہ سکے گی۔

دیکھیں بی بی جی جب ذمہ داریوں کا بوجھ کندھوں پر آجائے تو نبھ جاتا ہے۔ آپ کا گھرانہ سیاسی اور مذہبی ہے۔ اللہ پاک جب کلثوم بی بی کو عزت دے رہا ہے تو آپ انکار نہ کریں۔ عزت اور ذلت دینے والی تو اللہ کی ذات ہے۔ یہ تمام معززین علاقہ کا فیصلہ ہے۔ کل ایک بندہ کاغذات نامزدگی لے کر آئے گا تو کلثوم بی بی آپ اس پر دستخط کر دینا اور اپنے ضروری کاغذات وغیرہ کی کاپیاں بھی ساتھ لگا دینا۔ اچھا جی اب ہم چلتی ہیں تو پھر آئیں گی اور سب مل کر دعا خیر کریں گی۔ یہ کہہ کر وہ خواتین چلی گئیں تو وہ ماں بیٹی سوچ میں گم ہو گئیں۔ کلثوم ساری رات سوچتی رہی اور بالآخر فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس نے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا اور سو گئی۔ آج اتوار تھا کالج سے چھٹی تھی تو کلثوم لمبی تان کر سو رہی تھی، دن کے گیارہ بجے زہرا شاہ نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا اور بتایا کہ ایک بندہ کاغذات نامزدگی لے کر آیا ہے۔ کلثوم فوراً اٹھی منہ ہاتھ دھویا بالوں میں کنگھی کی سر پر چادر لی اور حویلی کے مردان خانے آ گئی جہاں ایک ادھیڑ عمر شخص عبدالکریم بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کلثوم نے وہ سارے کاغذات دیکھے اور ان پر دستخط کر دیئے۔ عبدالکریم نے کہا کہ وہ صبح دس بجے آئین گے، آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا، ضلع کچہری میں ریٹرنگ آفیسر کے سامنے پیش ہونگی اور آپ کے کاغذات جمع ہو جائیں گے۔

کلثوم نے کہا ٹھیک ہے پھر عبدالکریم کو چائے وغیرہ پلا کر رخصت کر دیا۔ اگلے دن کلثوم نے بہترین کپڑے پہنے صبح کے دس بجے وہ لوگ آ گئے اور ایک قافلے کی صورت میں ضلع کچہری پہنچے جہاں ایک جج کی عدالت جو ریٹرنگ آفیسر تھا کے سامنے پیش ہوئے۔ جج صاحب نے کاغذات کی چھان بین کی دو تین سوال کلثوم سے کئے اور کاغذات رکھ لئے۔ مقررہ تاریخ تک تمام امیدواروں کے کاغذات جمع ہو گئے پھر ان تمام کاغذات کی مکمل چھان بین ہوئی اور کاغذات منظور کر لئے گئے۔ اس کے بعد امیدواروں کو انتخابی نشان الاٹ ہوئے۔ اب کلثوم نے باقاعدہ الیکشن مہم شروع

کر دی۔ کارنر میٹنگز اور جلسوں کا انعقاد ہوتا جس میں کلثوم شرکت کرتی اپنے خطاب میں وہ خواتین کی فلاح و بہبود اور سب کے لئے تعلیم عام کرنے کے وعدے کرتی۔ کلثوم کی آواز بھی بہت پیاری تھی اور اس کی شخصیت بھی جاذب نظر تھی لوگوں کی ایک کثیر تعداد اس کے جلسوں میں شرکت کرتی۔ کلوم کو کریم بخش بہت یاد آتا تھا وہ ہر قدم پر اس کی کمی محسوس ہوتی۔ مگر وہ خوش تھی کہ اسے محکمہ پولیس میں اے ایس آئی کی جانب مل گئی تھی۔ اور وہ سہالہ میں ٹریننگ کر رہا تھا۔ تقریباً دو مہینے الیکشن کی گہما گہمی رہی اور آخر الیکشن کا دن آ گیا۔ تمام پولنگ اسٹیشن پر پانچ بجے تک پولنگ ہوتی رہی اس کے بعد کاسٹ کئے گئے ووٹوں کی گنتی شروع کی گئی۔ آج کا دن کلثوم کا بہت مصروف گزرا وہ سارا دن پولنگ اسٹیشنز کا دورہ کرتی رہی، رات گیارہ بجے حلقے کا رزلٹ آ گیا جس کے مطابق کلثوم بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئی اور وہ ایم پی اے بن گئی۔ ان کی حویلی میں جشن کا سماں تھا۔ لوگ جوق در جوق مبارکیں دینے آ رہے تھے۔ جس جگہ پر کبھی نفاست شاہ بیٹھا کرتا تھا آج اسی جگہ پر کلثوم بیٹی تھی۔ وہ انی ماں کے ساتھ بڑی حویلی میں شفٹ ہو گئی تھی۔ چار دن کے بعد صوبائی اسمبلی کا اجلاس ہوا جس میں تمام اراکین اسمبلی نے حلف اٹھایا۔ تقریباً ایک ہفتہ لاہور رہنے کے بعد آج وہ واپس حویلی آئی تو لوگوں کی آمدورفت شروع ہو گئی اور لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر آ رہے تھے۔ اسی دوران کریم بخش جس نے یونیفارم پہنا ہوا تھا اور کاندھوں پر ایک ایک اسٹار لگا ہوا تھا۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا وہ بھی حویلی میں آیا اسے دیکھ کر کلثوم خوشی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کریم بخش نے اسے ایم پی اے بننے کی مبارک دی۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایک کم عمر لڑکی ایم پی اے بنی تھی۔ اس نے کریم بخش سے دس پندرہ منٹ عام معمول کی باتیں کیں۔ کریم بخش نے اس کے والد کی وفات کا افسوس کیا۔ حویلی کے سارے نوکر چاکر جن کے ساتھ وہ نفاست شاہ کی چاکری کرتا تھا آج وہی نوکر جھک جھک کر اسے سلام کر رہے تھے۔ کریم بخش کی پوسٹنگ رانی پور کے اسٹیشن

میں رفیق کی جگہ ہوئی تھی۔ رفیق جسے پولیس کی ملازمت سے ڈس مس کر دیا گیا تھا اور اسے تین سال کی قید بامشقت ہوئی تھی اور وہ آج کل جیل میں تھا۔

نفاست شاہ کی موت کے بعد زرغم کی زندگی معمول پر آ گئی وہ بہت بڑے امتحان سے سرخرو ہو گیا تھا۔ لائبہ بھی صبح ناشتے کے بعد کالج چلی جاتی اور دوپہر ایک بجے واپس آ جاتی۔ رقیہ بیگم سارا دن اشعر سے کھیلتی رہتیں وہ اب ان سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔ ایک دن رقیہ بیگم کہنے لگیں کہ انہیں اپنے پرانے علاقے میں کچھ کام ہے تو وہ وہاں جانا چاہتی ہے۔ تو زرغم نے کہا ماں جی مجھے حکم کریں جو بھی کام ہے میں کر دیتا ہوں۔ آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں تو رقیہ بیگم کہنے لگیں نہیں بیٹا تمہارا بہت شکریہ یہ وہ کام میرے ہی کرنے والے ہیں بس میں تین چار دن تک آ جاؤں گی۔ بس مجھے جانا ہے تم مجھے مت روکنا۔ ان کی بات سن کر زرغم خاموش ہو گیا۔ اور رقیہ بیگم نے اپنا مختصر سا سامان اٹھایا اور چلی گئیں۔ ایک ہفتے کے بعد زرغم کی سالگرہ کا دن آ رہا تھا۔ زرغم اور لائبہ آپس میں روزانہ یہ بات کرتے کہ ماں جی کو کیا کام ہے۔ انہوں نے ہمیں بتایا ہی نہیں کہ انہیں ہم پر اعتماد اور یقین نہیں ہے......؟ تو زرغم کہتا ایسی بات نہیں ہے انہیں ہم پر بھروسہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی ذاتی نوعیت کا کام ہو جو وہ ہمیں نہ بتا رہی ہوں۔ چلیں جب وہ آئیں گی تو ہمیں بتا دیں گی۔ لائبہ کہتی کہ دیکھیں اشعر بھی کتنا اداس ہو گیا ہے ہر وقت ماں جی کو یاد کر کے روتا رہتا ہے۔ ماں جی کے جانے سے گھر کتنا خالی اور ویران ہو گیا ہے۔ ان کی وجہ سے گھر میں کتنی رونق تھی گھر بھرا بھرا ہوا تھا۔ اللہ خیر کرے۔ بس تم دعا کرو کہ وہ جس کام سے گئی ہیں اللہ کرے ان کا کام ہو جائے اور وہ جلدی گھر واپس آ جائیں۔ وہ دونوں ماں جی کو بہت مس کر رہے تھے۔ ایک ایک دن پورے مہینے کے برابر گزر رہا تھا آخر پانچویں روز شام کے ٹائم رقیہ بیگم آ گئیں تو ان کے آتے ہی لائبہ ان کے گلے سے لگ گئی اور رونے لگی۔ ارے بیٹی کیا ہو گیا ہے تمہیں کیوں رو رہی ہو دیکھو میں آ گئی ہیں۔ میں اپنے بچوں کو چھوڑ کر کہاں جا سکتی ہوں۔ تمہارے سوا میرا ہے

ہی کون۔ چپ کر میری بیٹی انہوں نے بڑی مسکل سے اسے چپ کروایا۔ تھوڑی دیر کے بعد زرغم بھی آ گیا اور وہ بھی ماں جی سے ملا۔ اس نے ان سے پوچھا کہ آپ کا کام ہو گیا ہے......؟ تو رقیہ بیگم الحمدللہ میرے اللہ کا شکر ہے سب کام بہ احسن وخوبی ہو گئے ہیں۔ اچھا ماں جی یہ تو بتائیں کہ کیا کام تھے......؟ تو رقیہ بیگم بولی پرسوں تمہاری سالگرہ ہے ناں۔ تو اس روز بتاؤں گی۔ یہ سرپرائز ہے تم لوگوں کے لئے تو پرسوں تک صبر کرو۔ اچھا ماں جی آپ جیسے آپ کی مرضی......اور پھر تیسرا دن آ گیا۔ آج زرغم کی سالگرہ تھی۔ وہ شام کو آفس سے جلدی واپس آ گیا۔ لائبہ اور رقیہ بیگم نے بہترین کپڑے پہنے تھے۔ گھر کی بھی سجاوٹ کی گئی تھی اور کھانے بھی تیار تھے۔ پھر سب نے مل کر زرغم کی سالگرہ کا کیک کاٹا رقیہ بیگم نے اسے بہت سی دعائیں دیں اور ایک خوبصورت سوٹ پیش کیا۔ پھر رقیہ بیگم نے دو فائلیں ایک زرغم کو اور ایک لائبہ کو دی اور کہنے لگیں کہ سالگرہ کا اصل تحفہ تو یہ ہے۔ دونوں نے جب فائلیں کھول کر دیکھیں تو وہ دیکھ کر ششدر رہ گئے ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ ان فائلوں میں رقیہ بیگم نے تین مربع زمین زرغم کے نام اور تین مربع زمین لائبہ کے نام کی تھی۔ یہ وہ کام تھا جس کے لئے وہ چار پانچ روز گھر سے باہر رہی تھیں۔ ان پانچ دنوں میں وہ نائب تحصیلدار، تحصیلدار اور اسسٹنٹ کمشنر کے آفس گئی تھی اور اپنی زمین ان دونوں کے نام لگوانے کے تمام قانونی تقاضے پورے کئے تھے اور زمین نام لگوانے کی سرکاری فیس بھی بینک میں جمع کروا دی تھی۔ پھر پٹواری کے پاس زمین کا انتقال کروایا اور وہ انتقال تحصیلدار سے پاس بھی کروا دیا۔ پھر دونوں کی الگ الگ فائلیں بنوائیں اور آج ان دونوں کے حوالے کر دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد زرغم بولا ماں جی یہ آپ نے کیا کیا ہے......؟

تو رقیہ بیگم بولی زرغم بیٹا جو بھی کیا ہے درست کیا ہے۔ میرا رب اس دنیا میں تم دونوں کے سوا ہے کون۔ میرے ماں باپ اور رشتہ دار تو 1947ء میں ہی شہید ہو گئے تھے۔ عظمت صاحب اور سردار بی بی بھی اس دنیا میں نہیں رہے اور میرے خاوند کو

نفاست شاہ نے قتل کروادیا تھا۔میں لاوارثوں کی طرح لاچار پڑی زندگی کے دن گن
رہی تھی اور پھر تم آ گئے۔تم نے مجھے اپنی سگی ماں کی طرح سمجھا اور تم دونوں بغیر کسی
مطلب، لالچ اور غرض کے بغیر مجھے اپنے ساتھ لے آئے۔میرے خاوند کے قاتلوں کو
پکڑا اور میری زمین جو کہ اب تم لوگوں کی ہے سے قبضہ ختم کروایا اور یہ کام کئی سالوں
سے کسی نے نہیں کروایا تھا۔میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔میرے مرنے کے بعد
یہ زمین کس کے پاس جاتی مجھے یہی سوچ کھائے جارہی تھی۔پھر میں نے سوچا اس
زمین کا وارث تم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوسکتا۔آپ لوگوں کو اس لئے نہیں بتایا تھا کہ اگر
بتا دیتی تو تم دونوں نے کبھی نہیں ماننا تھا تو اس لئے میں نے یہ کام کروایا ہے۔زرغم تم
میرے بیٹے ہو اور لائبہ تم میری بیٹی اور اشعر میرا پوتا ہے،تم تینوں ہی میری کل کائنات
ہو۔اب مجھے سکون مل گیا ہے کہ میں نے اپنی زمین صحیح ہاتھوں میں دے دی ہے اور میرا
یہ فیصلہ درست ہے رقیہ بیگم کی باتیں سن کر وہ دونوں لاجواب ہوگئے دونوں نے آگے
بڑھ کر رقیہ بیگم کی قدم بوسی کی تو انہوں نے دونوں کو گلے لگا کر بے شمار دعاؤں سے
نوازا۔اس کے بعد رقیہ بیگم بولی میری ایک آخری آرزو ہے اور وہ یہ کہ میں حج بیت
اللہ کرنا چاہتی ہوں اور آنے والا حج ہم سب مل کر کریں گے، انشاء اللہ کوئی دو ماہ
گزرے تو حکومت نے حج درخواستیں وصول کرنا شروع کردیں تو انہوں نے بھی
درخواستیں جمع کروادیں، چار ماہ گزرے تو ان کو وزارت مذہبی و حج امور کی طرف سے
خط موصول ہوا جس کے مطابق ان کی درخواستیں منظور ہوگئی تھیں۔ان کی روانگی کا
شیڈول جہاز کے ٹکٹ وغیرہ ان کو مل گئے تھے اور وہ خوشی خوشی حج کی سعادت حاصل
کرنے کی تیاری کرنے لگے۔

سیٹھ کامران لاشاری کی فرم مالی لحاظ سے بہت نیچے آ گئی تھی۔انہوں نے کئی
ملازم بھی فارغ کردیئے تھے مگر اس کے باوجود انہیں پچھلے دو سالوں سے نئے آرڈر
نہیں مل رہے تھے۔جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت بہت خراب تھی، ان کی کئی

فیکٹریاں بھی بند پڑی تھیں، ان کا کاروبار خسارے میں جارہا تھا۔اٹلی کی ایک مشہور
زمانہ فرم کے نمائندے اپنی کچھ پروڈکٹس تیار کروانے کے لئے پاکستان آئے تو ان کی
ملاقات سیٹھ کامران سے ہوئی۔سیٹھ کامران نے اس فرم کی پروڈکس تیار کروانے کے
لئے پاکستان آئے تو ان کی ملاقات سیٹھ کامران سے ہوئی۔سیٹھ کامران نے اس فرم
کی پروڈکٹس تیار کرنے کا ایک کنٹریکٹ پر دستخط کئے جس کی رو سے اپنا خام میٹریل وہ
فرم سیٹھ کامران کو دے گی اور اس خام مال سے آگے ان کی مختلف پروڈکٹس تیار کر کے
اٹلی بھیجیں گے۔وہ فرم یہ کنٹریکٹ کامران انٹرپرائز کو دے کر اٹلی واپس چلے گئے۔
اس معاہدے کے مطابق اگلے پانچ ماہ میں وہ یہ تیار شدہ پرودیکٹس اٹلی بھیجیں گے۔
سیٹھ کامران نے اسے اپنی خوش قسمتی سمجھا اس معاہدے کی رو سے اس کی فرم اپنے
پیروں پر کھڑی ہوجائے گی اور ان کو وہ کھویا ہوا اعتماد بھی واپس مل جائے گا۔اب
کامران انٹرپرائز کی ترقی کا دارومدار اس کنٹریکٹ کی تکمیل کی صورت میں تھا۔اب
سیٹھ کامران کے پاس اس کنٹریکٹ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے سرمایہ بالکل نہیں
تھا۔اب اگلے پندرہ روز میں ان کے پاس خام مال آجانا تھا تو سیٹھ کامران نے بینک
میں قرضے کے لئے اپلائی کیا۔قرضے کی رقم ڈیڑھ کروڑ روپے تھی اس کے بدلے میں
انہوں نے اپنی کوٹھی اور آفس کی بلڈنگ رہن رکھوائی۔قرضہ منظور ہونے میں بیس دن
لگ گئے اسی دوران خام مال بھی پہنچ گیا۔وہ خام مال بہت مہنگا اور قیمتی تھا۔جیسے ہی
قرضے کی رقم سیٹھ کامران کو موصول ہوئی اس سے اگلے دن انہوں نے کام شروع
کردیا۔وہ اس کام کو خود دیکھ رہے تھے۔ان کی نگرانی میں پروڈکٹس کی تیاری کا عمل
شروع ہوگیا وہ چاہتے تھے کہ مقررہ مدت میں وہ پروڈکٹس تیار ہوجائیں جن کو بروقت
وہ اٹلی بھیج سکیں۔انہوں نے اپنے ملازمین کو خاص تاکید کہ کہ تمام پروڈکٹس اچھی اور
بہترین تیار ہوں تاکہ اس فرم کا اعتماد ان پر ہوجائے اور آئندہ بھی وہ اس فرم کے
ساتھ چل سکیں۔چنانچہ ان کے ملازمین بھی محنت، پوری توجہ اور لگن سے کام کررہے

تھے کیونکہ سیٹھ کامران ان کے سر پر موجود تھے۔تقریباً چار ماہ میں ستر فیصد پروڈکٹس تیار ہوگئی تھیں۔ اٹلی کی فرم کے نمائندے پاکستان آئے اور انہوں نے وہ تمام پروڈیکٹس چیک کیں اور پاس کر دیں۔اب اگلا مرحلہ ان کی پیکنگ کا تھا تو وہ پچاس فیصد پروڈیکٹس کی کی پیکنگ کا مرحلہ ہوا اس کے بعد انہیں ٹرکوں میں لوڈ کر کے ایئر پورٹ پہنچانا تھا جہاں سے وہ اٹلی جاسکیں۔ چنانچہ دو دن کے بعد ان کی سپلائی شروع ہو جاتی تھی۔

گلفارم بہت کینہ پرور اور دل میں بغض رکھنے والا انسان تھا۔اس نے سیٹھ کامران کو بہت زیادہ مالی نقصان پہنچایا تھا۔لائبہ سے شادی والی بات کو ابھی تک نہیں بھولا تھا۔اب وہ آخری وار ایسا کرنا چاہتا تھا جس سے سیٹھ کامران کی کمر ٹوٹ جائے اور وہ بالکل صفر ہو جائے اس نے اپنے ایک دو بندے چھوڑے ہوئے تھے جو اسے سیٹھ کامران کے کاروبار کی خبریں پہنچاتے تھے۔اس کو اطلاع مل گئی تھی کہ سیٹھ کامران کا مال تیار ہے اور دو دن بعد اس کی سپلائی ہونا ہے۔اب انہی ایک دو روز میں گلفام نے کارروائی ڈالنی تھی۔اس نے بہت سوچا اور آخر ایک نتیجے پر پہنچا اس نے رات کو اپنے کچھ بندے سیٹھ کامران کے گودام پر بھیجے وہاں چوکیدار گن لے کر بیٹھا ہوا تھا تھوڑی دیر کے بعد چوکیدر کو پیشاب کی حاجت ہوئی تو وہ اپنی گن وہاں رکھ کر باتھ روم میں گیا۔گلفام کے بندے آگے بڑھے اور باتھ روم کا دروازہ باہر سے لاک کر دیا اب وہ چوکیدار باتھ روم میں قید ہو گیا تو گلفام کے بندوں نے گودام کے تالے توڑے اور ٹرک بلوالئے، گودام میں تجان مال تیار تھا اس کے ڈبے انہوں نے ٹرکوں میں لوڈ کر لئے یہ کارروائی انہوں نے اتنی تیزی سے کی کہ ایک گھنٹے کے اندر اندر وہ سارا مال انہوں نے ٹرکوں پر لوڈ کر لیا اور وہاں سے رفو چکر ہو گئے اور نا معلوم مقام پر وہ ٹرک لے گئے اور سارا سامان ان لوڈ کر دیا۔چوکیدار بے چارہ ساری رات باتھ روم میں قید رہا اور دروازہ بجاتا رہا۔صبح جب سیٹھ کامران کے بندے وہاں آئے تو انہوں نے

گودام کے دروازے کھلے دیکھے اور چوکیدار کو غائب پایا تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ ان بندوں کی آواز سن کر چوکیدار نے باتھ روم کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک آدمی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو چوکیدار حیرانگی پریشانی سے لڑکھڑاتا باہر آیا تو بندوں نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس نے بتایا کہ رات کو وہ پیشاب کرنے باتھ روم میں داخل ہوا تو کسی نے باہر سے دروازہ بند کر دیا پھر ٹرکوں کی آوازیں سنیں اور تالے توڑنے کی آوازیں بھی آئیں۔آوازوں سے لگتا تھا کہ بہت سارے بندے ہیں۔وہ گودام سے سارا نکال نکال کر ٹرکوں میں بھرتے رہے اور میں مسلسل دروازہ پیٹتا رہا مگر کسی نے دروازہ نہیں کھولا تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔اب آپ آئے ہیں تو دروازہ کھولا اور میں باتھ روم سے باہر آیا ہوں۔چوکیدار بے چارہ ہانپتا ہوا چار پائی پر بیٹھ گیا اور رونے لگا۔کسی نے سیٹھ کامران کو اطلاع کر دی تو آدھے گھنٹے کے بعد وہ بھی وہاں آگئے۔ جب انہوں نے سارا گودام خالی دیکھا تو وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر لڑکھڑائے اور زمین پر گر گئے اور بے ہوش ہو گئے۔انہیں فوری طور پر اسپتال پہنچایا گیا۔ایمرجنسی میں مامور ڈاکٹر نے انہیں چیک کیا اور بتایا کہ انہیں دل کا دورہ پڑا ہے۔ ان کی ٹریٹمنٹ شروع کر دی گئی۔سیٹھ کامران کے چاروں بیٹے اور بیگم بھی اسپتال پہنچ گئے بیگم صاحبہ کا تو رو رو کر برا حال تھا ادھر ڈاکٹرز سیٹھ کامران کی جان بچانے کی تگ و دو کر رہے تھے انہیں آکسیجن لگادی گئی۔تمام ضروری انجکشن بھی لگا دیئے گئے دل کی دھڑکن چیک کرنے کے لئے مانیٹر بھی لگا دیا گیا اور انہیں انتہائی نگہداشت میں رکھا گیا۔شام تک ان کی حالت کچھ بہتر ہو گئی۔ان کے بیٹوں کو اصل معاملہ کا پتہ چلا تو وہ بھی پریشان ہو گئے۔باپ کی اجازت سے انہوں نے متعلقہ پولیس اسٹیشن میں مال کی چوری کی ایف۔آئی۔آر درج کروادی۔

پولیس انسپکٹر نے چوکیدار کا تفصیلی بیان ریکارڈ کیا اور اسے زیر تفتیش رکھا۔وہ ٹرک کس کے تھے اور سارا مال لے کر کدھر گئے یہ ایک معمہ تھا واردات کا کوئی چشم دید

گواہ نہ تھا پولیس نے اپنی تفتیش جاری رکھی، سیٹھ کامران پورا ہفتہ اسپتال میں داخل رہے جب ان کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو انہیں اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا اور وہ گھر شفٹ ہو گئے وہ بہت پریشان تھے کہ اب کیا ہو گا۔ ڈیڑھ کروڑ روپے بینک سے قرضہ لیا تھا اوپر سے اٹلی کی فرم کا خام مال تھا جن سے پروڈیکٹس تیار ہوئی تھیں۔ اگر ان کو مال نہ بھیجا تو وہ کیس کر دیں گے۔ ان کا سب کچھ برباد ہو گیا تھا۔ ان کی ساری فیکٹریاں اور کوٹھی بک جاتی تھیں تب کہیں جا کر اٹلی کی فرم کا نقصان پورا ہونا تھا اور بینک کا قرضہ واپس ہونا تھا۔ انہوں نے اپنے وکیل سے بات کی تو اس نے مشورہ دیا کہ آپ اٹلی کی فرم سے رابطہ کریں، اور ان سے کہیں کہ آپ کی پروڈیکس بروقت تیار نہیں ہو رہی ہیں، تھوڑا سا ٹائم دیں۔ جب سیٹھ کامران کی اس فرم سے بات ہوئی تو انہوں نے بڑی آسانی سے دو ماہ کا مزید وقت دے دیا تو وکیل نے کہا کہ جو خام مال پڑا ہے اس سے آپ مزید پروڈیکٹس تیار کروائیں اور دو ماہ کے اندر اندر وہ ان کو بھیج دیں، اس کے بعد جب ان کی طرف سے پے منٹ آئے گی تو دوسری کنسائنمنٹ بھی تیار کر کے بھیج دیجئے گا۔ اگر کوئی ایک آدھ فیکٹری فروخت کرنا پڑی تو وہ کر دیجئے گا۔ فی الحال آپ ٹینشن نہ لیں اللہ پر بھروسہ رکھیں انشاء اللہ کوئی نہ کوئی بہتری کی صورت نکل آئے گی۔ وکیل کی باتوں سے سیٹھ کامران کی ڈھارس بندھی۔ اب انہوں نے اپنے چاروں بیٹوں کو پروڈیکٹس تیار کرنے والے معاملے پر لگا دیا اور خود گھر میں آرام کرتے۔

رقیہ بیگم، زرغم اور لائبہ کی حج کی تیاری مکمل تھی ان کی فلائٹ آج لاہور سے جدہ کی تھی تو عازمین حج کی پہلی پرواز تھی وفاقی وزیر برائے مذہبی امور نے حجاز مقدس جانے والوں کو رخصت کیا۔ رقیہ بیگم، زرغم اور لائبہ نے پہلے عمرے کی سعادت حاصل کی، پھر تمام مقدس زیارات کی زیارت بھی کی، اللہ کی خوب عبادت کی رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور پھر حج کا دن آ گیا۔ حج کے تمام امور بہ احسن و خوبی ادا کئے قربانی کی۔ حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد اب ان کی روانگی مدینہ شریف تھی۔ وہاں

کوہ گراں

پندرہ دن کا قیام تھا اور وہیں سے ان کی پاکستان واپسی تھی۔ آج انہیں مدینہ شریف آئے ہوئے دسواں دن تھا۔ رقیہ بیگم کی طبیعت صبح سے خراب تھی ان کے سینے میں درد تھا اور سانس بھی صحیح نہیں لے رہی تھیں۔ انہوں نے اپنی طبیعت کی خرابی کا کسی کو نہ بتایا گیارہ بجے کے قریب ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو زرغم انہیں لے کر اسپتال گیا مگر وہاں چیک اپ کے دوران ہی انہیں سخت دل کا دورہ پڑا اور دو منٹ کے اندر ہی وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ زرغم اور لائبہ بہت روئے۔ زرغم آج دوسری بار یتیم ہوا تھا اس کا رو رو کر برا حال تھا۔ اسپتال والوں نے ان کی میت مردہ خانہ بھیج دی جہاں انہیں غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا۔ مغرب کی نماز کے بعد حرم شریف میں لاکھوں افراد نے ان کا جنازہ پڑھا۔ مسجد نبوی کے امام صاحب نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر انہیں جنت البقیع قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ کتنی خوش نصیب تھیں وہ جن کا جنازہ حرم شریف میں پڑھا گیا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ ہر مسلمان کی آرزو یہی ہے کہ اس کی موت مدینہ شریف میں ہو اور وہ جنت البقیع میں دفن ہو۔ مگر ہر مسلمان کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی یہ خوش قسمتی کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ رقیہ بیگم ایک نیک، دین دار، پارسا اور جنتی خاتون تھیں اور یہ خوش قسمتی ان کے حصے میں آئی ان کی وفات کے بعد زرغم اور لائبہ بہت اداس ہو گئے۔ زرغم روزانہ صبح فجر کی نماز کے بعد ان کی قبر پر حاضری کے لئے جاتا اور دل ہی دل میں کلام پاک پڑھ کر ان کی روح کو ایصال ثواب کرتا رہتا۔ آج ان کی وطن واپسی تھی۔ وہ بوجھل دل اور نڈھال قدموں سے چل کر ایئرپورٹ آئے اور دن کے بارہ بجے وہ لاہور پہنچ گئے تو وہ ایئرپورٹ سے سیدھے آئی۔ جی آفس گئے۔ زرغم آئی جی صاحب اور دوسرے کولیگز سے ملا۔ وہاں دو تین گھنٹے لگ گئے اس کے بعد وہ گاڑی میں رانی پور جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ آج کچھ رستے بلاک تھے تو لائبہ کے امی ابو کے گھر کے قریب والی سڑک سے گزر رہے تھے آگے مارکیٹ تھی اس سڑک پر ٹریفک کا بہت رش تھا ان کی گاڑی مارکیٹ کے قریب

رکی ہوئی تھی کہ اچانک لائبہ کی نظر اپنے گھر کی نوکرانی پر پڑی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ وہ ملازمہ دوڑ کر لائبہ کے پاس آئی۔ سلام دعا کے بعد لائبہ نے گھر کے حالات پوچھے تو اس ملازمہ نے سب کچھ بتا دیا اور بتایا کہ سیٹھ کامران صاح کو دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ آج کل گھر ہوتے ہیں اور بہت پریشان ہیں بینک سے ڈیڑھ کروڑ روپے کا قرضہ بھی لیا ہے اور ان کا مال بھی چوری ہو گیا ہے۔ اتنے میں ٹریفک کھل گئی اور گاڑیاں چلنے لگیں۔ رانی پور پہنچنے تک لائبہ بڑی اداس اور پریشان رہی گھر آ کر بھی اسے ایک پل سکون نہ ملا وہ اپنے ماں باپ کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ تو ایسے میں زرغم بولا لائبہ اس وقت تمہارے ماں باپ سخت مشکل میں ہیں تو ہمیں ان کی مدد کرنی چاہئے۔ ہاں زرغم آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، میں بھی یہی سوچ رہی ہوں، تو پھر ٹھیک ہے، دیر کس بات کی ہے، زرغم بولا۔ ہم ابھی سے ان کی مدد کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ لائبہ اپنی فائل اٹھا لائی اور بولی زرغم میری تین مربعے زمین فروخت کر دی۔ اور جو پیسے ملیں گے وہ ابا جان کو دے دیں گے۔ تقریباً ایک ہفتہ لگا تین چار زمینداروں نے وہ تین مربع زمین تین کروڑ میں خرید لی۔ لائبہ نے تحصیلدار کے آفس جا کر دستخط کر دیئے اور ان کو تین کروڑ کی رقم مل گئی اور انہوں نے اگلے ہی دن لاہور جانے کا پروگرام بنا لیا۔

آج سیٹھ کامران بڑے بے بس اور اداس تھے انہیں اپنی بیٹی لائبہ یاد آ رہی تھی ان کو خیال آ رہا تھا کہ کئی روحیں بڑی بابرکت ہوتی ہیں۔ جیسے ان کی بیٹی لائبہ کے وجود کی گھر میں برکت تھی۔ جب تک وہ اس گھر میں رہی ان پر کبھی کوئی پریشانی یا مصیبت نہیں آئی جس دن سے انہون نے اسے گھر سے نکالا ہے پریشانیوں نے تو ان کے گھر کی راہ دیکھ لی ہے آئے روز کوئی نہ کوئی پریشانی آتی رہتی ہے اور مالی طور پر وہ زوال پذیر ہیں ان کا کاروبار بھی تباہ ہونے جا رہا ہے یہی سوچیں ان کو آ رہی تھیں۔ وہ اپنی کوٹھی کے لان میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے وہ رو رہے تھے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات تھی۔ وہ اپنے رب سے معافیاں مانگ رہے تھے کہ انہوں نے

بہت غلط کیا اپنی بیٹی کے ساتھ۔ پسند کی شادی کی تو ہمارے مذہب اسلام نے بھی اجازت دی ہوئی ہے مگر وہ کیسے باپ ہیں جن کو اپنی بیٹی کی پسند ہضم نہیں ہوئی۔ اتنے میں مین گیٹ کی ڈور بیل بجی، لازمہ نے گیٹ کھولا تو سامنے لائبہ اور زرغم کھڑے تھے۔ ملازمہ نے خوشی سے شور ڈالنا شروع کر دیا کہ لائبہ بی بی آئی ہیں۔ لائبہ کا نام سن کر سیٹھ کامران کے تن مردہ میں جان آ گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

لائبہ اور زرغم گیراج سے گزر کر لان کی طرف آئے تو سیٹھ کامران چارپائی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اپنی دونوں بانہیں وا کر دیں۔ لائبہ نے اشعر کو زرغم کے حوالے کیا اور دوڑ کر اپنے باپ کے گلے لگ گئی، کتنی دیر وہ دونوں روتے رہے پھر جب دا ہوئے تو انہوں نے زرغم کو گلے لگا لیا۔ اور اپنے نواسے کو چومنے لگے اتنی دیر میں لائبہ کی امی بھی آ گئیں اور ماں بیٹی ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔ اس کے بعد وہ سب وہیں بیٹھ گئے اور باتیں شروع ہو گئیں۔ لائبہ نے بتایا کہ پچھلے ہی ہفتے ہم حج کی سعادت حاصل کر کے آئے ہیں تو گھر کی ملازمہ سے ہماری ملاقات ہو گئی اس نے ہمیں آپ کے سارے حالات بتا دیئے ہیں اتنے میں لائبہ کے چاروں بھائی بھی آ گئے اور وہ بھی ان سے ملے۔ لائبہ نے تین کروڑ کی رقم سیٹھ کامران کی جھولی میں ڈال دی اور کہنے لگی بابا جان یہ میری طرف سے ایک حقیر سا تحفہ ہے آپ کے لئے تو پلیز قبول فرما لیں تو سیٹھ کامران دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ لائبہ اور زرغم ان کو چپ کرانے لگ گئے۔ جس بیٹی کو میں نے اپنی پسند کی شادی کرنے پر اپنے گھر سے نکالا تھا آج وہ بیٹی ہمارے زخموں کا مداوا کرنے آئی ہے۔ ہمارے ناسوروں پر مرہم رکھنے آئی ہے۔ کاش یہ زمین پھٹ جائے اور اس میں میں سما جاؤں، یہ کہہ کر سیٹھ کامران اور زور زور سے رونے لگ گئے۔ لائبہ بولی بابا جان نہ روئیں۔ پلیز ساری زندگی آپ نے اپنی اولاد کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ اگر آپ کے برے وقت میں آپ کی بیٹی آپ کے کام نہ آئے تو لعنت ہے اس بیٹی پر۔ لائبہ نے پانی کا گلاس اپنے

بابا جان کو دیا تو وہ سارا پانی پی گئے۔ دو منٹ کے بعد وہ نارمل ہوئے اور زرغم سے پوچھنے لگے بیٹا یہ تین کروڑ کہاں سے آئے ہیں......؟ زرغم بولا انکل یہ حق حلال کے پیسے ہیں۔ جب سے میں نے یہ نوکری جوائن کی ہے تو نہ میں نے ایک پائی رشوت کی لی ہے اور نہ ہی کبھی اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ آپ بے فکر ہو کہ یہ رقم قبول فرمائیں بینک کا قرضہ ادا کریں اور باقی پیسے اپنے کام میں لگائیں۔ سیٹھ کامران نے تشکر آمیز نظروں سے زرغم کو دیکھا اور کہنے لگے میں تو لائبہ کی شادی گلفام سے کرنا چاہتا تھا مگر اس نے گلفام کو ٹھکرا کر تم سے شادی کر لی اور میرا خیال ہے کہ لائبہ کا یہ فیصلہ درست ہے۔

جب گلفارم کا ذکر ہوا تو ملازمہ بولی کہ گلفام نے مجھے پیسے دیئے تھے اور میرے ذمہ یہ ڈیوٹی لگائی تھی کہ جب بھی لائبہ اس گھر میں آئے تو تم نے مجھے ضرور بتانا ہے۔ مجھے پیسوں کی سخت ضرورت تھی اس لئے میں وہ رکھ لئے تھے۔ مجھے حیرانگی تھی کہ وہ کس لئے پوچھ رہا ہے۔ بہرحال اس کے بعد وہ مجھے کبھی نہیں ملا۔ زرغم نے گلفام کا ایڈریس لیا اور شام کو علاقے کے پولیس اسٹیشن پہنچ گیا اور ایس ایچ او سے کہا اس گلفام نامی بندے کو اٹھا کر لاؤ اس سے کچھ باتیں کرنی ہیں، ایس ایچ او نے فوراً گاڑی بھیجی اور ایک گھنٹے کے بعد گلفام تھانے میں حاضر تھا وہ بہت گھبرایا ہوا تھا اور بار بار پوچھ رہا تھا کہ اسے کیوں بلایا ہے؟ زرغم نے کہا تمہیں لائبہ سے کیا کام تھا جو اسے ڈھونڈتے پھرتے ہو......؟ نہیں جی مجھے تو کوئی کام نہیں تھا۔ اگر تمہیں کام نہیں تھا تو نوکرانی کو پیسے کیوں دیئے تھے اور کہا تھا کہ جب بھی وہ گھر آئے تو تمہیں بتائے زرغم کی یہ بات سن کر وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ دیکھو گلفام میں زرغم اے ایس پی لائبہ کا شوہر ہوں لائبہ نے تمہیں ٹھکرا کر مجھ سے شادی کی۔ لگتا ہے تمہیں اسی بات کی تکلیف ہے۔ کیوں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں۔

گلفام خاموش بڑے غور سے زرغم کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ زرغم نے چھڑی کو

زور سے میز پر مارا تو گلفام گھبرایا۔ زرغم بولا اب سیدھی طرح بتا دو کہ سیٹھ کامران کے گودام سے چرایا ہوا مال کدھر ہے......؟ آگے سے گلفام وہ وہ سر مجھے نہیں پتہ کہ کہاں ہے۔ میں نے تو نہیں چرایا۔ زرغم کہنے لگا سیدھی طرح بتا دو میں تمہیں تھرڈ ڈگری نہیں دینا چاہتا اگر تھرڈ ڈگری دی تو تم برداشت نہیں کر سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ بتا دو۔ گلفام خاموش تھا تو زرغم نے ایک اے ایس آئی سے کہا ذرا اسے ڈرائنگ روم کی سیر کرا کے لاؤ۔ اے ایس آئی نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچا اور ایک گالی دے کر بولا۔ اٹھ اوئے ذرا میرے ساتھ چل تو گلفام کا رنگ پیلا پڑ گیا اور کہنے لگا اچھا اچھا بتاتا ہوں۔ پھر اس نے بتایا کہ ہاں وہ مال اسی نے چرایا ہے اور میرے فلاں گودام میں پڑا ہے۔ زرغم نے پوچھا۔ اس کے علاوہ تم نے ان کا اور کیا کیا نقصان کیا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ پچھلے سال ان کے گودام میں شارٹ سرکٹ کی وجہ سے جو آگ لگ گئی تھی وہ بھی میں نے ان کی بجلی کی وائرنگ میں خرابی پیدا کی تھی جس کی وجہ سے گودام میں آگ لگ گئی تھی۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے یہ سب کیوں کیا؟ کیا دشمنی تھی تمہاری سیٹھ کامران سے۔ گلفام بولا۔ ہاں مجھے اسی بات کا قلق تھا کہ میری شادی لائبہ سے نہیں ہوئی اور اسی بات کا انتقام میں سیٹھ کامران سے لینا چاہتا تھا۔ دیکھو گلفام جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ لائبہ کو تم پسند نہیں تھے اس لئے اس نے تمہیں ریجیکٹ کر دیا مگر تم نے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا اور آخر تم قانون کی پکڑ میں آ گئے ہو اب ایک لمبا عرصہ جیل میں گزارنا۔ زرغم نے ایس ایچ کو ہدایت کی کہ چوری کے اس کیس میں دیگر ملازمین کو بھی گرفتار کرو۔ اور سب کو جوڈیشل ریمانڈ پر بھیج دو اور چالان مکمل کر کے کیس عدالت میں پیش کرو اور چوری شدہ سامان کی سپرداری کروا کر اسے سیٹھ کامران کے حوالے کر دو۔ اس کے بعد زرغم گھر آیا تو سب اس کا رات کے کھانے پر انتظار کر رہے تھے۔ زرغم نے انہیں خوشخبری سنائی کہ آپ کا ہونے والا سامان بھی مل گیا ہے اور چور بھی پکڑا گیا ہے اور آپ کو پتہ ہے کہ چور کون ہے......؟ تو سب نے کہا نہیں۔

پھر زرغم نے بتایا کہ چور گلفام ہے اور وہ گرفتار ہو چکا ہے۔ اس نے اپنے سارے جرائم قبول کر لئے ہیں۔ اور ہاں پچھلے سال آپ کے گودام میں شارٹ سرکٹ کی وجہ سے جو آگ لگی تھی وہ بھی گلفام کی کارستانی تھی۔ یہ سن کر سیٹھ کامران نے اف میرے اللہ کہہ کر اپنا سر پکڑ لیا۔ اور کہنے لگے جسے میں سونا سمجھ رہا تھا وہ پیتل نکلا اور جسے میں پیتل سمجھ رہا تھا وہ سونا نکلا۔ میں گلفام کو صحیح سے پرکھ نہیں سکا تھا مگر لائبہ کا فیصلہ درست تھا۔ مجھے تم دونوں پر فخر ہے۔ اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں کو گلے سے لگا لیا۔ زرغم نے ان کے بڑے بیٹے سے کہا کہ صبح ایس ایچ او کو مل لینا اور تمام ضروری کاغذات بنا کر مال کی سپرداری کروا کر اسے اپنے گودام میں شفٹ کروالو۔ اتنے میں ملازمہ بولی جناب کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے، تو پہلے کھانا کھا لیں سب نے مل کر کھانا کھایا اور پھر رات گئے تک باتوں کی محفل لگی۔

لائبہ اور زرغم دو دن لاہور میں رہے اور پھر واپس رانی پور آ گئے۔ لائبہ بہت خوش تھی اور خوش کیوں نہ ہوتی اس کے ماں باپ اور بھائی جو مل گئے تھے اب وہ روزانہ ٹیلی فون پر اپنی امی سے ڈھیروں باتیں کرتی۔ پھر زرغم اور لائبہ نے انہیں رانی پور آنے کی عوت دی تو وہ یہ دعوت ٹھکرا نہ سکے اور پھر اگلے جمعہ کو وہ سب رانی پور آ گئے۔ لائبہ نے مزے مزے کے کھانے بنائے اشعر کی نانی تو ایک پل بھی اسے اپنے سے جدا نہیں کرتی تھیں۔ وہ بہت پیار کرتی تھیں۔ زرغم نے سب کو اپنا آفس دکھایا۔ زرغم کا پروٹول دیکھ کر وہ حیران رہ گئے اللہ رب العزت نے اتنی عزت اسے دی تھی پھر زرغم نے سارا رانی پور انہیں دکھایا اور اپنی تین مربع زمین بھی دکھائی سب بہت خوش ہوئے اور اسے ڈھیروں دعائیں۔ اتوار کو دوپہر کا کھانا کھا کر وہ واپس لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔ کوئی ایک ماہ بعد لائبہ کے کالج میں دو ماہ کی چھٹیاں آ رہی تھیں اور اتفاق سے زرغم کی محکمانہ مینجمنٹ کی ٹریننگ اسلام آباد آ گئی۔ ٹریننگ کا دورانیہ بھی تقریباً دو ماہ کا تھا۔ چنانچہ انہوں نے گھر کو لاک کیا۔ لائبہ اپنے والدین کے گھر آ گئی

اور زرغم اسلام آباد چلا گیا۔ لائبہ کے دو بھائیوں کا رشتہ طے ہو گیا تھا اور اب شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں لائبہ اپنی ماں کے ساتھ روزانہ بازار کا چکر لگاتیں وہ اپنے بھائیوں کی بری تیار کر رہی تھی۔ ادھر سیٹھ کامران کے کاروباری معاملات بھی ٹھیک ہو گئے تھے۔ اٹلی کی فرم کو انہوں نے ان کی ڈیمانڈ کے مطابق پروڈیکٹس بھیج دی تھیں اور انہیں وہاں سے نہ صرف پے منٹ بھی مل گئی بلکہ اور آرڈر بھی مل گئے۔

اس ڈیل سے انہیں بہت منافع ہوا تھا۔ ایک جرمنی اور ایک سوئٹزرلینڈ کی کمپنیوں سے انہیں مزید آرڈر مل گئے۔ سیٹھ کامران بہت خوش تھے اور ساری خوشی اور کامیابی وہ لائبہ کے نام منسوب کر رہے تھے۔ مگر لائبہ ہر پل اللہ کا شکر ادا کرتی۔ سیٹھ کامران کے پچھلے تمام نقصانات ختم ہو گئے اور ان کی فرم کو کروڑوں کا منافع حاصل ہوا۔ زرغم کی ٹریننگ مکمل ہو گئی تھی۔ وہ لاہور آ گیا جہاں دو دن کے بعد لائبہ کے بھائیوں کی شادیاں تھیں۔

پورا ہفتہ شادیوں کی گہما گہمی میں گزرا۔ سیٹھ کامران نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا۔ اب لائبہ کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں۔ لہٰذا وہ رانی پور آ گئے۔ پندرہ دن گزرے تو کریم بخش زرغم کے پاس آیا۔ وہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ زرغم نے اس کے چہرے سے خوشی بھانپ لی اور پوچھا کریم بخش کیا بات ہے بہت خوش نظر آ رہے ہو تو اس نے اپنی شادی کا کارڈ زرغم کو پیش کیا اور بتایا کہ اس کی شادی کلثوم ایم پی اے سے ہو رہی ہے۔ دونوں کی محبت کی شادی ہے اور دونوں نے اپنی محبت پا لی ہے۔ اس نے زرغم سے درخواست کی کہ آپ اور لائبہ باجی اس کی شادی میں ضرور شریک ہوں۔ زرغم نے اسے مبارک دی اور اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا اور وعدہ کیا کہ وہ ضرور اس کی شادی میں شرکت کریں گے۔ اور پھر آخر وہ دن آ ہی گیا جس روز کریم بخش اور کلثوم کی شام تھی۔ شادی کی تقریب بڑی سادگی سے سرانجام پائی۔ شادی کیا تھی بس ایک نکاح کی پروقار تقریب تھی۔ جس میں چند لوگ شامل ہوئے نہ مہندی، نہ بارات،

نہ ڈھول ڈھمکا، نہ آتش بازی، نکاح کی سنت ادا کرنے کے بعد کریم بخش کی طرف سے مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا۔ زرغم اور لائبہ بھرپور طریقے سے شادی میں شامل ہوئے۔ کریم بخش زرغم کا کولیگ تھا اور کلثوم لائبہ کی شاگرد تھی گو کہ اب اس نے کالج چھوڑ دیا تھا مگر لائبہ نے اسے مشورہ دیا کہ پرائیویٹ اپنی تعلیم جاری رکھنا کیونکہ اس ملک کو پڑھے لکھے اراکین اسمبلی کی ضرورت ہے۔ پڑھائی کے معاملہ میں اگر اسے لائبہ کی مدد کی ضرورت ہو تو بلا جھجک اس کے پاس آنا۔ زرغم اور لائبہ نے انہیں تحائف اور ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔

مزید ایک سال زرغم نے رانی پور میں گزارا تو اللہ پاک نے انہیں بیٹی کی رحمت عطا فرمائی۔ بیٹی کا نام انہوں نے فاطمہ رکھا۔ بیٹی کی پیدائش کے ایک ہفتہ بعد زرغم کی ترقی ہوگئی اور وہ ایس پی بن گیا اور ساتھ ہی اس کا ٹرانسفر لاہور ہوگیا۔ جب زرغم رانی پور سے رخصت ہوا تو ہر آنکھ اشکبار تھی کیونکہ جب تک وہ یہاں رہا علاقے میں امن وسکون رہا۔ جرائم نہ ہونے کے برابر رہ گئے۔ رانی پور کی مقامی تاجر تنظیموں، صحافیوں، پریس کلب اور دیگر معززین کی طرف سے الوداعی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ سب نے اس کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اور ترقی کی مبارکباد پیش کی۔ زرغم نے اپنے خطاب میں سب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میری گزارش ہے کہ ہر فرد خواہ وہ سرکاری ملازم ہے۔ پرائیویٹ ملازم ہے یا کوئی اور کام کرتا ہے تو وہ اپنے فرائض کو پہچانے اور اپنی ڈیوٹی کو اللہ اور اس کے رسول کی عطا سمجھ کر سرانجام دے۔ کیونکہ قدرت نے اسے اس ڈیوٹی کے لئے چنا ہے۔ اگر ہم اپنے فرائض ایمانداری اور دیانت داری سے سرانجام دیں گے تو اس ملک سے رشوت اور سفارش جیسی برائیوں کا خاتمہ ہوگا، یہ پاکستان جس کی منظوری بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے عنایت ہوئی ہے۔ یہ علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر ہے جسے قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں یہ منزل ملی اگر خدانخواستہ پاکستان نہ بنتا تو پھر ساری زندگی ہم نے ہندوؤں کا غلام بن جانا تھا۔ پاکستان رمضان المبارک

کے مقدس مہینے رمضان شریف کی ستائیسویں شب کو وجود میں آیا۔ قرآن کریم کی سورۃ رحمٰن میں اللہ کریم نے اپنی ستائیس نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور الحمدللہ وہ ستائیس کی ستائیس نعمتیں ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ اب یہ ہم پر انحصار ہے کہ ہم ان نعمتوں سے کس قدر مستفید ہوتے ہیں۔ یہ تو اسی صورت میں ہوگا جب یہاں اللہ کی حاکمیت ہوگی، قانون کی پاسداری ہوگی عدل وانصاف ہوگا، ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کو پہچانے گا اور ان کا وزن اٹھائے گا تبھی ہم ایک آزاد اور حقیقی خودمختار قوم بن کر دنیا کے سامنے آئیں گے، یہ ملک انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گا، زرغم کے خطاب کے بعد اسے بہت سارے تحائف دیئے گئے اور انتہائی عزت واحترام سے رخصت کیا گیا۔

آج لاہور کے آئی۔ جی آفس میں زرغم کے کاندھوں پر ایس۔ پی کے رینک سجائے جانے کی تقریب تھی۔ تقریب کے مہمان خصوصی جناب آئی جی صاحب پنجاب پولیس تھے۔ انہوں نے زرغم کے کاندھوں پر ایس۔ پی کے رینک لگائے۔ تقریب میں معززین کے علاوہ لائبہ کے ماں باپ، بھائی اور بھابیاں بھی شریک تھیں۔ سب نے زرغم کو ترقی کی مبارکباد پیش کی۔ تقریب سے فارغ ہوکر سب گھر آئے تو سیٹھ کامران لاشاری نے ایک سرپرائز دیا اور وہ یہ کہ ماڈل ٹاؤن میں ایک کنال کی ویل فرنشڈ کوٹھی اور زیرو میٹر کار کا تحفہ پیش کیا اور موقف اختیار کیا کہ زرغم اور لائبہ کی شادی پر انہوں نے کچھ نہ دیا تھا۔ آج وہ یہ سب اپنی بیٹی کو تحفے کے طور پر دے رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی انہوں نے تین کروڑ روپے بھی لائبہ کو لوٹا دیئے اور اپنے داماد اور بیٹی کا شکریہ ادا کیا جو انہوں نے مشکل وقت میں ان کا ساتھ دیا اور کہا کہ زرغم میرا پانچواں بیٹا ہے اس نے بیٹا ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اگلے دن زرغم نے ایس پی کے عہدے کا چارج لے کر کام شروع کر دیا۔

☆☆☆